بسم اللہ الرحمن الرحیم
الکنایة فصاحة
سرائیکی
ہند سندھ دیاں زباناں دے وَن دی پاڑ
جشن روھی نمبر
★ ★ ★
ہیوں او قلاش تے رنداساں
پئی نودی ٹے ہند سندھ ساں
ہیوں بشیک عارف چنداساں
گل راز رموز دے دفتر ہوں

رَبَنا رَبَکُمُ اللّٰہ

سرکار دو عالمؐ نے یہود اور نصاریٰ کو مخاطب فرما
دعوت دی تھی۔ آؤ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے
ہم تم مل کر کام کریں۔

سرائیکی زبان میں اِسی اندازِ فرماں کا ترجمہ ہے
آ چُنوں رل یار پیلوں پکیاں نی وے

فرید

اُطلب العلم ... بالصّین

شانِ رسالت ... ہی کی یہ بے مثال
آفاق گیری ہے کہ چینی قیصر کے درجِ ذیل بیان
کو پڑھ سن سمجھ کر دُنیائے فرنگ دنگ ہے :

Let us try to believe that the gentleman is international, even as gangsters are international.

Today, however the gangsters are international-minded, but the gentlemen are still patriotic.

Dr. LIN YUTANG

سبُو افریدم صراحی افریدم
زخاک وطن دِل رُبائی افریدم

ھماری یہ دُعا ھمارا یہ ارادہ ھے کہ:

۱۔ "سرائیکی" —— رسمِ محبّت کی توسیع کے سِلسلہ میں مؤثر ذریعہ ثابت ہو۔

۲۔ "سرائیکی" —— کے پہلے آٹھ صفحات کے مضمون بعنوان تعارفِ سرائیکی اُردو زبان میں اور باقی صفحات بعنوان "تبرکات سرائیکی" سرائیکی زبان میں سبق آموز پیرایہ میں پیش کئے جاتے رہیں۔

۳۔ "سرائیکی" —— کا ہر مضمون "بمصداق" الکنایہ فصاحتے کوزہ میں دریا ثابت ہو۔

نذیر
۱۹۶۵ – ۴ – ۱۱

یاد عہد صادق

یاد یار مہرباں آید ہمے ..... رودکی

گلزار صادق

سالنامہ ”سرائیکی“ بموقعہ جشن روہی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء

سرائیکی ادبی مجلس - بہاولپور

AMEER SADIQ MUHAMMAD V ABBASI

زندہ ہیں تیرے دم سے عرب کی روائتیں
اے یادگارِ سطوت اسلام زندہ باد

یہ شعر حضرت علامہ اقبال نے پہلی ملاقات پر امیر موصوف کو مخاطب کر کے فی البدیہ ارشاد فرمایا تھا ۔

فخر عباسیاں اعلحضرت امیر محمد عباس الاول عباسی - امیر بہاولپور
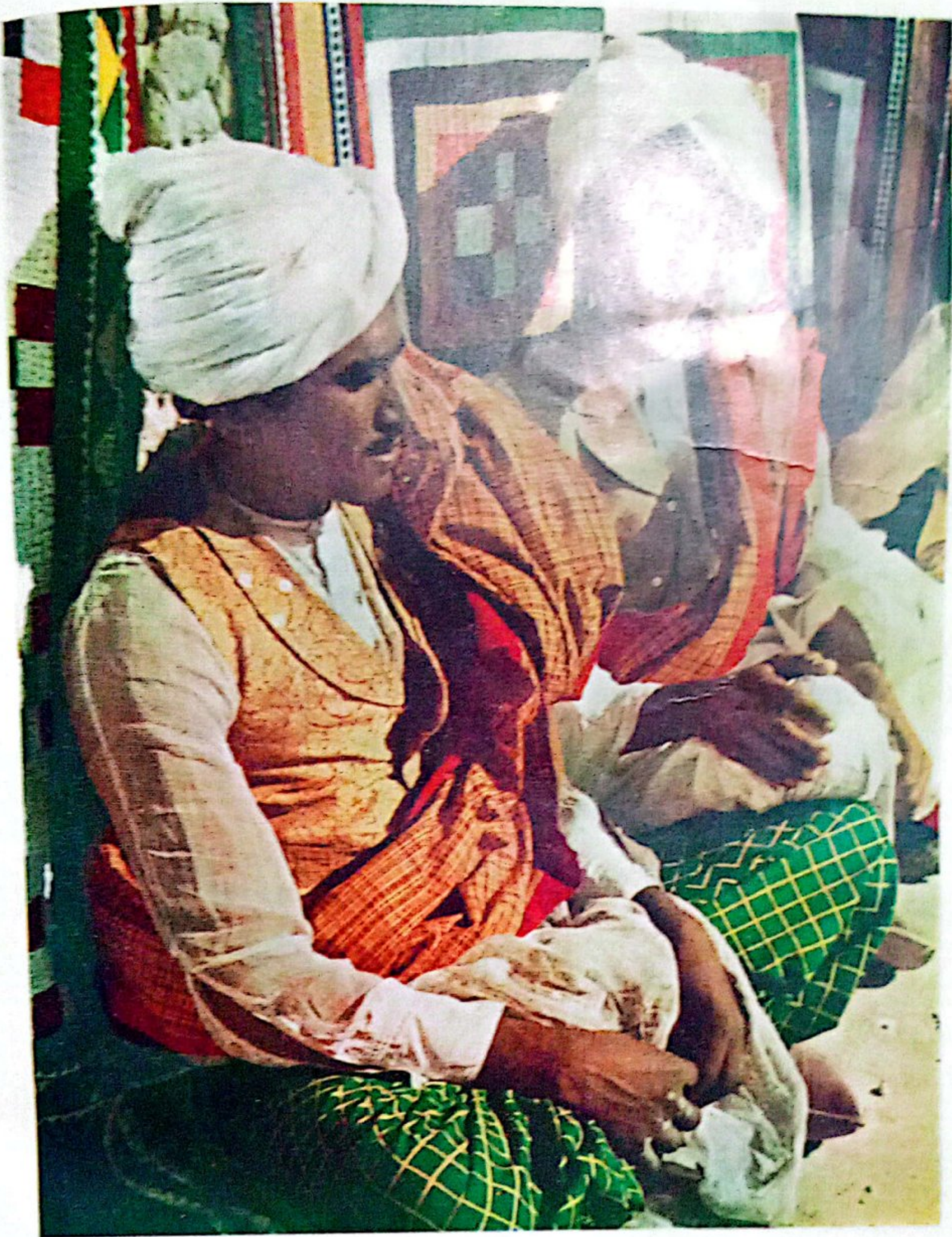
دو خوش پوش بہاولپوری نوجوان

سہ ماہی مجلہ

سرائیکی

بہاولپور

★

مدیر مسئول

سید نذیر علی

★

شمارہ اپریل ۱۹۶۷ء

مطابق ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ

ترتیب

"... جمعہ خمیس تے چھن چھن کیا "

THE TIMELESSNESS OF THE TIME

خوش آن روزے کز ایام نیست — صبح او رانیم روز و شام نیست

اقبالؒ

الف تے میم مـن وچ ہوے — پچھے آن بن ان بن آن بن کیـا
دول تنمبورے کچھمے پـاتے — پچھے تنڑ ونڑ تنڑ ونڑ تنڑ ونڑ کیا
مـولا میـنـہ مہـر دا ڈیـوے — پچھے کنڑ منڑ کینڑ مینڑ کنڑ منڑ کیا
علی حیـدرا - مولا یـار چـا میلے — پچھے جمعہ خمیس تے چھنڑ چھنڑ کیا

نوٹ : سرائیکی زبان کے تلفظ کے مطابق :
جمعہ = ذمہ - تنڑ = تن - کمنڑ منڑ = کُن مَن = چھنڑ چھنڑ - چھنچھن = سنیچر =
(سرائیکی میں نون - نون غنہ - نون غنی تین قسم کے نون ہیں)

نذر عقیدت

به ترکی و ایران از پاکستان

درین رہ همعنان همرهانم | برد هرجا که خواهد کاروانم
نمی دانم نشان منزل دوست | مگر محو سرودِ ساربانم
درین منزل گہے بانگ درایم | گہے گرد غبار کاروانم
زمین و آسمان جو لانگه من | مه و خورشید و انجم همرهانم
درین وادی من سر گشته ناظر | صدائے بازگشتِ رفتگانم

این قدر فارسی نمی دانم که بدوستان ایران و ترکی
کیفیات دل که پر از محبت بااین خواجگان است اشکار کردمے

چه خوش بودے اگر بودے زبانش دردهان من

حالا مندرجه بالا غزل که خوشی محمد ناظر مرحوم نوشته بود
بخدمت یاران اتحاد ثلاثه به سمیم قلب بطور تحفه ارسال است

بہار ۱۹۶۷ء

سید نذیر علی
صدر سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور - پاکستان

A VISION

THE ALMI LANGUAGE

Where is no Vision people parish motto of the Peopty Society London.

تا کہ "امن لو کی ہے دائم" کہنے کی ضرورت نہ رہے اس لیے اتحاد ثلاثہ میں شامل ممالک (ترکی - ایران پاکستان) کی ملی جلی زبان کے بنانے سے ایک قسم کی ایسی زبان عالم وجود میں لائی جائے جو آگے چل کر عربی، ترکی، ایرانی، اردو کے اختلاط سے بیسویں صدی کے؟ اخیر تک مشرق وسطیٰ کی مشترکہ زبان بن جائے۔

سفر و سیاحت کے سلسلہ میں فی زمانہ سہولتیں جو میسر ہو چکی ہیں ان کا اخرالامر یہ نتیجہ ہو گا کہ دنیا میں عالمی زبان بن کر رہے گی —

تاریخ کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانی ضرورت کی تمام بنیادی ضرورتیں :—

عقاید - حرف و بیان - هندسه - زراعت - پارچہ بانی اور طب کے متعلق اصول فنون زیادہ تر ابتداً مشرق وسطیٰ ہی میں تخلیق ہوئے تھے البتہ انسان کی ثانوی ضرورت کی چیزیں آج یورپ امریکہ میں طیارات — اور دیگر سائنسی ایجادات کی صورت میں حیرت انگیز طور پر تخلیق ہونا شروع ہیں —

هر کسے را بہر کارے ساختند

قدرت نے اہل مغرب کو قدرتی ماحول اور قدرتی اسباب و ذرایع ہی ایسے فراہم کئے ہیں کہ اہل مغرب انسانی ضرورت کی ثانوی تخلیقات کے سلسلہ میں نمایاں خدمت انجام دے سکیں — لیکن انسانی ضرورت کے متعلق ابتدائی تخلیقات عقاید - زبان وغیرہ بنیاد کا درجہ اور مقام رکھتی ہیں —

عقاید اور زبان ایسی انسان ساز بنیادی تخلیقات ہیں کہ جنہیں آج بالائے طاق رکھ دیا جائے تو انسان و حیوان میں اشرف المخلوقات کا جو فرق اور امتیاز ہے باقی نہیں رہتا — لہذا :

انسان کی ترقی فلاح بہبود کے ارتقائی سلسلوں میں عقاید کے بعد زبان ہی ایسی نعمت ہے - جس ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق ڈیڑھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار کے زمانہ میں توجہ دینے کی بے حد ضرورت ہے - عالمی زبان کی ضرورت کے متعلق راقم نے ۱۹۵۴ء میں رائل انسٹیٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز کی ایک منتخب مجلس میں تقریر کی تھی جسے سراہا گیا تھا -

اتحاد ثلاثہ کے سلسلہ میں یقیناً ہماری قومی زبان جو در اصل زیادہ تر عربی فارسی ہی کی خوشہ چین خوش اردو ایسی زبان ہے بڑی خدمت انجام دے سکتی ہے —

اتحاد ثلاثہ یا ابتدائی عالمی زبان کی تخلیق کے سلسلہ میں وادی سندھ کے مرکزی علاقہ کی زبان سرائیکی جس میں عربی فارسی ترکی زبانوں کے الفاظ مثلاً :—

وسل بجائے بسل (عربی) ایں جا - آونجا

سرائیکی زبان میں مروج الفاظ بعینہ فارسی زبان کے الفاظ ہیں - بجائے جمعرات سرائیکی زبان میں عربی زبان ہی کی اصطلاح خمیس مروج ہے —

اردو میں لہسن - پنجابی میں تھوم - سرائیکی میں تھوم، عربی زبان کے لفظ فوم کے لیے استعمال ہوتے ہیں - وھوھذا — ان حقایق کے محل نظر عالمی زبان کے وضع کرنے کے سلسلہ میں سرائیکی زبان کی سر پرستی دانشمندانہ اقدام ہوگا —

صدر پاکستان کے دل میں یکا یک سرائیکی زبان کے مشاعرہ کا خیال پیدا ہونا - سرائیکی کے متعلق بہاولپور ڈویژن کے انتظامیہ کے اعلیٰ افسران کے ذوق شوق اور محنت کا گذشتہ تین سال کے عرصہ میں یوں لپٹنا - مالک کائنات ہی کے منشا و مرضی کے ایات و اشارات ہیں — یقیناً انسان کی بنیادی ضرورتوں کی تشکیل ترویج کے سلسلہ میں "لیا جائے گا ہم سے کام دنیا کی امامت کا"

بمعذرت علامہ اقبال رح

"جشن روہی" کو فیض رساں تقریب منانے کے سلسلے میں جناب میر نجم خان کمشنر بہاولپور ڈویژن - جناب خواجہ غلام مصطفیٰ ڈپٹی کمشنر بہاولپور اور جناب شیخ اعجاز احمد اے - ڈی ایم بہاولپور کا ایک ایسا یادگار کارنامہ ہے جس کے لئے باشندگان بہاولپور ابدلاباد تک شکر گزار رہیں گے -

اللہ دی سرکار

اللہ دی سرکار دی سب کنوں چنگی گالھ ایہ ہے کہ اللہ سائیں دی سچی سرکار ڈیندی ای ڈیندی ہے اتے اوہ وی مفت ۔ نہ کوئی ٹیکس ہے نہ کوئی ڈنڈ اتے جرمانہ، منیا ۔ سی ایس پی دے افسراں کوں تنخواہیں منجھ منجھجتی موٹیاں ترے ترے چارچار ہزار روپیہ ہر مہینے ملدیاں ہن پر بیگم صاحباں دے پلے انکم ٹیکس اتے بئے کئی چھوٹے وڈے چندے اتے فنڈ کٹ کٹا کراہیں آونج تے مہینے وچ اٹھارہ سو پلے آن پوندے ہین ۔ اوہ وی دیر نہیں لگدی ڈیکھدیاں ڈیکھدیاں بیلی باھنے بانیاں پٹرول دے بل ڈرائیور دی تنخواہ ، بجلی دے بل ، بالاں دی پڑھائی ، مدرسے دیاں فیساں ، کتاباں ، دھوبی دی دھوائی ، ڈاکداراں دے بل ۔ مدعا مہینے دی ہر پہلی ڈوجھی تاریخ کوں پنج چھی سو روپیہ پلے آن پوند ہے جو مہاناں دی خاطر ادر سیون اپ ، کوکا کولہ آئس کریم ، سینما ۔ ٹی پارٹیاں دی نذر تھیندیاں تھیندیاں مہینہ ختم تھیون کنوں ہک ہفتہ کھن پہلوں ہڈکیاں وات اوھیندا ہے ۔ موٹر گیراج لگ ڈیندی ہے اتے مہاناں ملاقاتیاں دی اطلاع کیتے صاحب دی کوٹھی دے پھاٹک آتے نوٹس لگ ویندے صاحب گھر کائی نہیں دورے تے ہن ــ ضلع ضلع دیاں وڈیاں سرکاراں جنھاں دی کوئی اپنی جائیدات نہ ہوئے بونجھا ورھیوں دی عمراں وچ سترے بہترے تھی ۔ جانمازاں وچھا بجائے پنج فرض نمازاں دے ست نمازاں پڑھ پڑھ تے یاوت جوانی دے ویلے دے فوٹو تصویراں اپنی اپنی نوعمری دے ویلے دیاں چٹھیاں کارگذاری دے سائیٹفکیٹ پڑھ ڈیکھ تے وخت گذرلیدے ہن ۔ کوٹھی دے مالی باورچی کون رخصت کر بیگم صاحباں باورچی خانہ اتے صاحب بہادر باغبانی دا شغل فرماون لگ ویندے ہن ــ '' فجر کوں بندہ یاد نہ کیتو دیگر یاد کیا کر سیں توں '' جوانی دے ویلے ایہا کم کیتے نہ ہن نتیجہ باورچی خانہ سنج اتے کوٹھی دا باغیچہ خزاں تھی ویندے ــ

واہ اللہ دی سرکار اوچھک پچھک نوی نروی ھسدی رسدی ــ نہ بجلی نہ بجلی دے بل نہ دھوبی نہ نائی ۔ حکم دے بردے صرف چار فرستے جناں ازل کنوں ابد تک نہ رشوت دا لالچ نہ پنشن دا ڈر ۔ سجھ پیا چڑھدے سجھ پیا لہند چندر آبھردے مہیہ پیا وسدے ۔ کوئی روندا تے کوئی ھسدے لیکھ نصیب دا کیا قصور اپنے اپنے ذمے ہے ۔ واہ! سچی سرکار ع

ڈیوے ھی ڈیوے ڈلیدیاں نہ تھکے
سچ پیا آھدے خرم سائیں

رب کنے کیا کائی نہیں
کوئی بندہ بن تے پن ڈیکھے

★ ★ ★

Scanned with CamScanner

پیشینگوئی

عربوں کا حربیہ ترانہ

انگریز شاعر جیمز الرئے فلیکر کی نظم کے چند شعروں کا اردو ترجمہ -

ہم وہ ہیں جو تقدیر سے بھی پہلے آدبوچتے ہیں
ہم وہ ہیں جو بہت سویرے یا کافی رات ہو جانے پر سوار ہوتے ہیں

We are they who come faster than fate :
we are they who ride early or Late :

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے — اقبال رح
یاراں بدھیاں کمراں تے دلی ڈھائی کوہ — فرید رح

We have marched from the Indus to Spain
And by God we will go there again;

ماخوذ از " حدیث دیگراں " مولفہ لارڈ ویول - دھلی ۱۹۴۳ء

نوٹ :— فاصلوں کے سمٹ جانے کی وجہ زمانہ مستقبل میں انداز تحریر مخلوط ہوتے
ہوتے نئی عالمگیر زبان کے رائج ہونے کا باعث ہونا کوئی نئی بات نہیں —
قط — Cat + کتوں - کپاس — Cotton
الفیل Elephant + امیر البحریا امیرالماء — Admiral اور اسی طرح اور بہت سے
لفظ اگر طیارات - تار برق - ٹیلفون کی ایجاد سے قبل معرض وجود میں آ سکے ہیں -
اکیسویں صدی کے انسان کی زبان کیونکر مخلوط ہونے سے بچ سکے گی - فلیکر کی نظم میں
کی گئی پیشینگوئی :—
" عروق مردۂ مشرق میں خون زندگی دوڑا " حکیم الامت ہی کی فرمائی ہوئی بات ہے -

شکار

تتر - بھٹتر - تلور

حال ہی میں ہماری روہی کے اس من سلویٰ کی تعریف کے سلسلہ میں امیر ابوظبی کے باز تصدیق فرما چکے ہیں ——

ہماری روہی کے ہرن اور دیگر صحرائی حیوانات اسکندر اعظم کی افواج محمود غزنوی کے لشکر کے لیے کتنا لذیز اور کس کثرت سے راشن فراہم کر چکے ہوں گے کسے معلوم ؟

ہماری روہی کے کتنے اونٹ پہلی جنگ عظیم میں مصر - فلسطین - بصرہ میں کام آ چکے ہیں اور ہماری روہی کی بھیڑوں کی اون کتنی عمدہ اور کس کثرت سے زرمبادلہ کے حصول کا ذریعہ بنے گی ہماری روہی کی کھار کی پیداوار کی مصنوعات کس طرح ملک کی مزید خدمات انجام دے سکیں گی یا سیاحت کے لیے ہماری مٹھی سلونی باوضو روہی کا ماحول کس قدر دل فریب اور جاذب ہے یا آیندہ وسیع کیا جا سکتا ہے - ہماری روہی میں جگہ جگہ واقع عظمت دیرینہ کے آثار مسمار قلعے پائپ لائن کے ذریعہ پانی فراہم کر دینے پر جدید قسم کے خیمہ گاہی ہوٹلوں کا رواں سراؤں کے معرض وجود میں لانے سے کتنی بڑی علاقائی یا ملکی ہی نہیں عالمی خدمت انجام دے سکتے ہیں وقت بتائے گا -

---

ایک شہنشاہ کی تحریر

ابرو باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانی بکف آری، بغفلت نخوری

۱۹۳۳ء میں یہ آٹوگراف مکہ مکرمہ میں اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان مرحوم مغفور سابق والئے افغانستان نے برگیڈیر سید نذیر علی کو عنایت فرمایا تھا -

(ادارہ سرائیکی)

همارے شام و سحر

سرائیکی زبان دے

سجھ ـــ چندر ـــ تارے

گذارشات

زمانہ حال کی بے لگام خوشحالی ـ زمانہ حال کا یہ بیدریغ قحط ـ جفاہائے دوستاں ـ وفاہائے دشمن ـ آف ! یہ ترق ـ ھائے ! یہ منزل ، کس کس بات کا رونا رویا جائے ـ

عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ھے سربہ سر

جشن روھی کی تقریب تک رہ گئے باقی دس دنوں میں سرائیکی کا یہ سالنامہ ادارت کتابت طباعت کی تمام منزلیں طے کر کے قارئین کرام تک پہنچ کر شرف قبولیت حاصل کر سکے ـ

صبح کرنا شام کا ھے لانا جوئے شیر کا

رسالہ ھذا میں سرائیکی زبان کے علاوہ اردو یا انگریزی زبان میں مضامین پیش کرنے کا مقصد ہے وادی سند کے مرکزی علاقہ کے تہذیب و تمدن شعر و ادب کے معقولات کو موھنجوڈار ، ھڑپا نہ بننے دیا جائے ـ

گاہ گاہ یاد بایدداشتن ایں دفتر پارینہ را

سرائیکی دراصل عربی زبان کی بیٹی اور اردو زبان کی ماں ہے ـ

سرائیکی شاعری دیاں چھلاں ـ ۴ فروری ۱۹۶۷ء کو لیا گیا فوٹو ـ شعرائے کرام سرائیکی زبان صفحہ مقابل پر درج تصویر میں

سو ورھیوں تھیئے ھن جنوری ۱۸۶۷ء وچ اردو زبان دا پہلا اخبار تے پریس بھاولپور وچ جاری تھیاھا ـ اج مارچ ۱۹۶۷ء دا ایہ گجدا وجدا سرائیکی مشاعرہ شیت اردو دے اخبار تے پریس دے جاری ہوون دی ورھینی یاتگار ہے ـ اینہ مشاعرے دی صدارت امیر بھاولپور نے فرمائی ھائی ـ قریب بارہ ھزار روپے دے انعام عطا کیتے گے ہن ـ سرائیکی ادبی مجلس دی تجویز کرن تے ''صادق امتیاز سرائیکی'' طلائی تمغہ جناب میاں نظام الدین حیدر صاحب دی طرفوں اینہ مشاعرے تے عطا کیتا گیا ھا ـ

دائیں سے بائیں :

پہلی صف : دلشاد ، خلیق ، نادم ، مسرور ، عاصم ، صالح ، جانباز ، نذیر ، حافظ ، شاغل ، گل ، دلچسپ ، کلانچوی ، شان ، شاد ۔

دوسری صف : حسرت ، اقبال ، طالب ، نوکر ، بھنور ، دراوری ، غلام محمد ، صادق بشیر ، سفیر ، نقوی ، شوق ، دلشوق ۔

تیسری صف : منظور ، ڈاکٹر بابر ، اختر محمود خان ، عاشق ، دلبخت ، محمد دین بشیر ۔

چوتھی صف : میجر بخاری ، کاربالیا ، افضل ، عزیز ، شوکانی ، منظور ۔

پانچویں صف : نسیم ملک ، اللہ یار ، فدا حسین ، سردار نجم الدین لاغاری ۔

حقیر غلام [illegible] خود)

سرائیکی شعر و ادب کے شہنشاہ

حضرت خواجہ غلام فرید رح

۱۲۶۱ھ - ۱۳۱۹ھ

Reproduced & painted by FOZIA ALI

Student M.A. Final

دولت دلنواز

حضرت خواجه غلام فرید علیه‌الرحمة کے کلام کا انتخاب

مختصر سوانح حیات خواجہ دلنواز :

بلحاظ نسبت فاروقی ۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت عمرؓ سے جا ملتا ہے ۔

بلحاظ رتبہ مرشد صادق ۔ امیر صادق محمد خان رابع فرمانروائے ریاست بہاولپور حضرت کے مرید تھے ۔

علمی تبحر ۔ جون ۱۸۸۹ء میں برصغیر کی اس مجلس مناظرہ کا جو علماء ہندوستان اور علماء پنجاب میں بعض مسائل اختلافیہ کے سلسلہ میں بہاولپور منعقد ہوئی تھی آپ کو اس کا حکم بنایا گیا تھا ۔ اس مجلس مناظرہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور حضرت مولانا خلیل احمد نے علماء ہندوستان کی طرف سے اور علما پنجاب کی طرف سے حضرت مولانا غلام دستگیر اور حضرت مولانا سلطان محمود نے حصہ لیا تھا ۔ تفصیلات مزید کے لیے ۸۶۸ صفحات کی کتاب دیوان فرید (مترجم ۔ مرتبہ دبیرالملک حضرت مولانا محمد عزیزالرحمٰن عزیز زیر سر پرستی اعلیحضرت امیر صادق محمد خان خامس عباسی) ملاحظہ ہو ۔ یہ ضخیم کتاب سرائیکی زبان کا بے بہا سرمایہ ہے ۔ اس کتاب کے متعدد نسخے انگریزی زبان میں بالاختصار ترجمہ کر کے سرائیکی ادبی مجلس کی طرف سے امریکہ ۔ انگلستان روس ۔ جاپان ۔ مصر (جامعہ الازہر) اور امیر ابوظبی کی خدمت میں بھجوائے جا چکے ہیں ۔

بہاولپور کی تقریباً تمام درسگاہوں صادق سنٹرل لائبریری بہاولپور ، پنجاب لائبریری لاہور ، برٹش میوزیم لنڈن ، شکاگو یونیورسٹی امریکہ ، یونیورسٹی ٹوکیو ، یونیورسٹی ماسکو ، جامعۃالازہر مصر میں اس کتاب کا آئندہ چند سالوں تک کوئی نسخہ محفوظ رہ سکا تو رہ سکا ورنہ انگریزی زبان میں یہ کتاب اب نایاب ہو چکی ہے ۔

معہ اردو ، فارسی ، انگریزی تواردات سرائیکی کے اس شمارے میں اس کتاب کے چند عنوان جشن روہی کے سلسلہ میں اس مقصد کے پیش نظر شائع کیے ہیں تا کہ کوئی فٹز جیرلڈ رباعیات خیام کی طرح سرائیکی کی اس " دولت دلنواز " کو اپنی زبان میں منظوم کرنے کے لیے متوجہ کرایا جا سکے

درج ذیل انگریزی شعر کے مطابق حضرت خواجہ غلام فرید کی کافیوں کا لب لباب :

The Kafis of Khawaja Farid
Are messages of Hope-Love and Peace.

امن عالم کے بہی خواہ ادارے
UNO اور UNESCO

اس دولت دلنواز کی اشاعت ترویج کر کے امن عالمگیر کے سلسلہ میں بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں ، لیکن :

سمجھائے کون بلبلِ غفلت شعار کو
محدود کر لیا ہے چمن تک بہار کو

تواردات

کافی

عشق ہے ڈکھڑے دل دی شادی
عشق ہے رہبر مرشد ھادی

عشق ہے ساڈا پیر
جہنیں کل راز سمجھایا

نــاز تبسم گجھڑے ھاسے
چـالے پیچ فـریب دلاسے

حسن دے چـار امـیر
جنہــاں چوگٹھ نوایـا

The renderings in English

Love is joy for the heart broken
Most dependable perfect guide;
All the secrets love reveals
Which otherwise are denied.
Deceitful dealings,
Inducements clever,
Laughters subdued,
Smiles bewitching;
With these weapons
Beauty rules the world supreme.

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
غالب

Love can hope where reason would despair.
Lyttleton

بنـازم بہ بـزم محبت کہ آنجـا
گـدائے باشـاہے مقابل نشیند

Love is the fulfilling of the law.
St. Paul.

عشق فـریـد ہے چـیز سہانگی
تھیندے وچ وہار جندڑی کر قربانی

I hold it true, whate'er befall —
I feel it when I sorrow most —
'Tis better to have loved and lost
Than never to have loved at all.
Tennyson.

در بود و نبود من اندیشہ گمانہا داشت
از عشق ہویدا شد ایں نکتہ کہ ہستم من

"Love is more powerful than reason."

Love is a sickness full of woes,
All remedies refusing;
A plant with more cutting grows,
Most barren with best using
Samuel Daniel

برق گرتی ہے تو یہ نخل ھرا ھوتا ہے

"Beauty is a short lived tyranny."
Socrates.
"Beauty is a privilege of nature."
Plato

ایں طرفہ تماشہ بیں دریایہ حباب اندر

I walk with you, though miles from you
divide me;

Yet you are near!
The sun goes down, soon star will shine
to guide me.

Would you were here!

Goethe
traslation by M. Hamburger.

تم میرے پاس ہوتے ہو - گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مومن

کافی

جتھاں کرڑ کنڈا بوٹیں ڈھیرے
اتھ درد سنداں دے ڈیرے

کھپ کھار تے لئی لانڑیں
سنٹھ پھوگ بھوں من بھانڑیں

تھل ٹبے ڈھر ٹکانڑیں
ہر بھٹ بھٹ نال بسیرے

واہ تکیہ گاہ اساڑے
ھن ھووے کون نکھیڑے

The renderings in English.

Seldom there a tree is found,
A barren waste out of bound;
Where the herbs and hedges too
Grow afar and very few;
Here for the lovers true
Brambles dry and bushes stray
Provide the best rendezvous.
Ye, sand-hills, glorious mounds,

"Beauty is a silent cheat."

Theophrastus

"Beauty is better than all the letters of recommandation in the world."

Aristotle.

"That is the best part of beauty which a picture cannot express."

Bacon.

کافی

کل غیر کنوں جی واندے
مٹھی ریت انو کھی راندے

سینے جھوکاں دیدیں دیرے
سوھنے دوست دلاندے

اکھیاں وچ قطر نہ ماوے
سارے سجن سماندے

The renderings in English

The idea, "four freedoms", is fraught,
Freedom real is the freedom from all;
Sweet thing love
The most unique pleasure;
Constantly housed in my vision,
It lives forever in my heart.

Peacefully as friends
We can all exist,
In as small a place
As is the human eye,
That nurse and retains
All the unshed tears.

The renderings in English

Paradise and the nightingale,
Rose and the ring,
Thou art the whole
Kingdom and the King.

Were not about my lofty rank
Once for all the angels hushed ?
Is rocketing in and out of space
Not made for me an easy race ?

Religion, reason, science and art
Must enhance the man's lot ;
Follow Him through war and peace
Friend Farid who never leaves.

مسنج خود را به زر اے بندہ زر
کہ زر از گوشه چشم تو زر شد

اگر کردی نظر بر پارہ سنگ
ز فیض آرزوۓ تو گہر شد
اقبال

It is wisdom to know others ;
It is enlightenment to know one's self.

....
....

Endurance is to keep one's place ;
Long life it is to die and not perish
Lao Tzu translation by R. B. Blakney.

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے

My last resort,
My castles sound,
Neat and rare,
Who can dare
Dislodge Farid
From there:

بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں
غالب رح

"A careless shoe-string in whose tie
Do more bewitch me than when art
Is too precise in every part."
Robert Herrick.

بناوٹ بھی اک فن ہے جو جانتا ہو
تری سادگی کچھ ہمیں جانتے ہیں

Mixed with goatherds in dry places
Seek refreshment in Oases.
Goethe - translated by V Watkins.

کافی

کیوں توں جز تے فرد سڈاویں
توں کلی توں کل
باغ بہشت دا مالک توں ہیں
خود بلبل خود گل
عرش وی تیرا فرش وی تیرا
توں عالی ان مل
روح مثال شہادت توں ہیں
سمجھ سنجاں نوں بھل
یار فریدا ہے کول تیڈے
نہ بیہودہ دل

Lightly, O lightly, we bear her along,
She sways like a flower in the wind of our song;
She skims like a bird on the foam of a stream,
She floats like a laugh from the lips of a dream.
Gaily, O gaily we glide and we sing,
We bear her along like a pearl on a string,

Sarojini Naidu
on Palanquin Bearers.

آں سیل سبک سیرم ہر بند گسستم من
اقبال

موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی
غالب

کافی

ہور کہانی مول نہ بھانی
الف گیم دل کھس وے میاں جی
'ب' تے 'ت' دی کل نہ کائی
الف کیتم بے وس وے میاں جی
ھکو الف ھم بس وے میاں جی

The renderings in English

No other story fascinates Farid,
'Alif alone has won his heart;
For X Y Z he cares not,
Alif for him is the world at large,
The bigning and the end and all;
Teacher Kind —!
Leave Farid with Alif alone.

اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہئے
خوش آں راہے کہ سامانے نہ گیرد
اقبال رح

Thou seest not who thou art, for thou art, yet not "thou".

Shaikh Al-Alavi of Algiria
(truly great man of this century)

After extinction I came out, and I
Eternal now am, though not as I.
Yet who am I, O I. but I ?

Shustari.

کافی

رتھ تے بھندی دڑک نہ سہندی
ھم طبع کم زور
رتھ دھیمیں دھیمیں ٹور
میڈا دستہ نرم کرور دا
متاں ونگیں لگم ٹکور

The renderings in English

Man by nature is very weak
His driving fast will end in grief
Chariot driver drive in peace
Flying rockets will not help
Look before you leap.

General References

آنہمہ شعبدہ ھا عقل کہ میکرد آنجا
سامری پیش عصا و ید بیضا میکرد
حافظ

When Moses unto Pharaoh stood,
The men of magic strove in vain
Against his miracle of wood;
So every subtlety of brain
Must surely fail and feeble be
Before the soul's supremacy.

rendering by Professor A. J. Arberry, D. Litt.

کافی

ہر صورت وچ دیدار ڈٹھم
کل یار اغیار کرن یار ڈٹھم
کتھ ملاں تے منصور ڈٹھم
کتھ چوب رسن تے دارڈٹھم
اقرار ڈٹھم انکار ڈٹھم

I see Him everywhere,
And in everything.
People, strangers or my own
Are all to me my friends.

About Mullah and Mansoor
Why should I care ?
About the log, rope and gallow
I am - not unaware.
Of the facts and defects,
About the "yes" and "no"
What I have heard,
And what I see
I quite agree.

Captain ! Here is the test of Your Vow to *save mankind*.

"Are they *Coloured or White ?*
Who asks this question ?
Captain say : Man is drowning—
the sons of Adam !"

Nazar-ul-Islam, translation
By Mizan-ur-Rahman.

Note :- The Kafi "جھوکاں تھیسن آباد ول" was autographed by Captain Manes of the city of Brisbain at 35000 feet during flight over the homeland of the greatest German poet (Goethe). About him (writing for Mentor Book) Thomas Mann says, "......the darling of mankind.

"........The passage from his poem '*Hegira*' quoted below shows the breadth of his vision :—

North and West ond South are breaking,
Thrones are bursting, Kingdom shaking :
Flee, then, to the essential East,
Where on patriarch's air you 'ill feast !
There to love and drink and sing.
Drawing youth from Khizr's spring.

(Translated by chael Hamburger)
for Menter Book edited No. Stephen Spender

کافی

پردیسی یارا ، وا پورب گھلے
سانون مہینہ برسات دی واری
گاجاں گجکن بجلیاں لسکن
پھوگ - پھلی - کھپ - پھلے
ذوق دلڑی چلے
دھامن - کترن - سنھ نے سہجوں
چتر سہاگ دا جھلے
جے تئیں پانی پلھر نہ کھٹی
کون بھلا سندھ چلے
طبع ڈینھو ڈینھہ کھلے

The renderings in English

My friend in foreign land, the Eastwind gently blows.
Season of rains has come, This wild land grows
Green' wild blossoms blow ; clouds roar and lightenings flash
Desires storm the heart.
The wild bushes all are decked in bridal hues.
And who will leave this place for kider lands
Before these rain-fed pools become quite dry ?
It turns more pleasant here, day after day
And greener grows my heart.

Saleem-ur-Rahman,
Asstt. Editor "Nusrat"
Lahore

اینھا نینگر پھل جو پائی کھڑی اے
چٹے ڈینھہ دے چندرچڑھائی کھڑی اے
مولانا نصیرالدین خام

روھی

تعارف : بہاولپور کے علاقہ میں بولی جانے والی سرائیکی زبان میں ریگستان کو روھی کہتے ھیں - پنجابی زبان میں روھی کا مفہوم لفظ 'روہ' کہہ کر ادا کیا جاتا ھے - ملک ھنگری کی زبان میں لفظ RUHE سے مراد QUIETNESS ھے یعنی سکوت اور خامشی — پشتو میں روہ بمعنی پہاڑ - پشاور کا قدیم نام تھا -

اصطلاحات : صحرا - باویہ چولستان روھی کی صورت اور سیرت کی تفسیرات روھی ھی کا دوسرا نام ھیں - جنوبی کروستان کی زبان میں چولستان اس خطۂ زمین کو کہتے ھیں - کہ جس میں دھڈیاں (ایک قسم کی جھاڑی جسے سرائیکی زبان میں دھڈی کہتے ھیں) اس بہتات سے پائی جاتی ھوں کہ رھیڑی گاڑی ٹانگہ ، موٹر ھی نہیں ٹینکوں تک کا اس علاقہ میں سے ھو کر گذر سکنا محال ھو - گذشتہ جنگ عالمگیر کے دوران جرمن دفاعی لایں سیگفریڈ فرنچ مورچہ بندیاں مجینوا اور میرٹ قدرت کے ان شاھکاروں کی نقل بیحساب روپیہ خرچ کر کے تعمیر کئے گئے بناسپتی قسم کے چولستان ھی تھے -

روھی کی فضیلت : بلحاظ صورت و سیرت روھی کا ماحول کچھ اس شان کیف و جذب کا علمبردار ھے کہ دنیا کے کہستانی - میدانی - ساحلی جنگلاتی ، برفستانی علاقوں کے ماحول میں روھی کے سے روح پرور احساس قیاس - فکر و عمل - تخیل اور تصور تک کا پیدا ھونا محسوس ھو سکنا مشکل ھی نہیں ناممکن ھے — ع

زمین شور برگ سنبل برنہ ارد

روھی کی فضیلت کا راز : روھی کی فضیلت کا راز ع : ''کب تک خیال طرۂ لیلیٰ کرے کوئی''

اس مختصر مضمون میں کما حقہ پیش کیا جا سکے ناممکن ھے — ع :

سفینہ چاھیے اس بحر بیکراں کئے -

مختصر طور پر روھی کے فضیلت کے راز کی وضاحت کے لئے نظیری نیشا پوری کا یہ شعر :

گر بہار اید نظیری در خزاں بمن مگو
خاطرمشغول عاشق را تماشہ دشمن است

اور نظیری کے اس شعر کی تفسیر میری آپ بیتی کے درج ذیل دو عنوان عرض بخدمت ھیں :

۱- ۱۹۳۳ء کا واقعہ ھے شہر پیرس کی ایک بارونق شاھراہ پر اس حقیقت کے باوجود کہ ھاتھ کی ھتھیلی کی طرح صاف ستھری ھموار سڑک تھی میری اور میرے فکر و نظر کی راہ میں حائل لچکتی لہراتی گلفام نازک اندام - تنگ قبا - بستہ بہ چا بکی کر میڈان پیرس حوریں قدم قدم پر ٹھوکروں رکاوٹوں کا باعث ھو رھی تھیں اور میں رکتا چلتا رہ نوردوں سے ٹکراتا نے بیخود بیہوش و بد حواس یوں جا رھا تھا جیسے نیا گرا کے آبشاروں میں گھرگئی - ڈوبتی - ابھرتی بہتی تیرتی بے بس کشتی — یہ اس زمانے کا واقعہ ھے جب آتش جوان تھا -

۲- اس واقعہ سے دو برس پہلے کا واقعہ ھے - باوجود اس کے کہ راہ ناھموار - منزل دشوار سٹی ریت پتھر سے اٹی پٹی وادیاں - مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک بصورت ریگ رواں - خار مغیلاں راستہ بھر راہ نواز تھیں میں اور میرے فکر و نظر تیری ثنا تیرے خیال سے اس طرح وابستہ اور فیض المرام ھو رہے تھے -

جیسے عرش اعظم کے گرد مامور نوریان خوش نصیب کے فکر و خیال -

یہ عبارت زیب داستان نہ سمجھ لی جائے - جس طرح نور سے دور پروانے محروم ضیا - جس طرح معصوم بچے بڑے ہوکر اکثر گمراہ ہو جاتے ہیں - دشت ، بیابان، لندن، پیرس، نیو یارک، بمبئی کراچی بن جانے پر - روھی کی طرح روھی کے سے کیف وکم کے حامل نہیں رہتے - کوئی لطیف مزاج انسان کسی گندے شہر کے غلیظ گلی کوچوں میں جس طرح آنا جانا رہنا پسند نہیں کرتا - حرص و آززدہ شہروں میں ذات بے نیاز کی ویسی وسیع جال ارائی جیسے لق دولق بے لپ اسٹک بے غازہ - بے سرمہ صحراؤں کے دامن اطہر میں جامعہ آکسفورڈ ہارورڈ میں تحصیل تعلیم کئے بغیر انبیا علیہم السلام نے دیکھا پہچانا اور پا لیا تھا - عام طور پر روح پرور روح فزا ہوتی نہیں پائی گئی -

انسان ساز تکلفات اور خدا داد عنایات میں جو فرق ھے اس کا اندازہ قدرتی اور بناوٹی دانتوں ایئرکنڈیشنڈ مسموم آرام گاھوں اور قدرتی ھوا فضا میں رہنے بسنے کے نفع و ضرر سے بخوبی لگایا جا سکتا ھے - بیش قیمت پیٹنٹ ادویات کے مقابلہ میں روھی کی تازہ ھوا میں لیا گیا ایک ایک دم ایک ایک سانس جس قدر اورجتنی بڑی بے پرمٹ بے راشن کارڈ نعمت ھے اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ

ع : قدر صحت را نداند ھر کہ او بیمار نیست

سمیز - سماگ زدہ شہروں میں رہنے والوں سے پوچھیئے - ملاحظہ ھو انگریزی مضمون The Poluted Air امریکن ٹائم میگزین ۲۷ جنوری ۱۹۶۷ء

روھی کی کہانی انجیل کی زبانی :

اور کہا خدا وند خدا تیرے رب نے ابراھیم سے کہ اے ابراھیم میں تیری اولاد کو ریت کے ذروں اور آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ کردوں گا - اور تیری اولاد کو بے شمار دولت اور بڑی بڑی بادشاھتوں کا مالک بنا دونگا — انجیل مقدس

روھی کی کہانی تیل کی زبانی : جنوبی ایران کے ویرانوں میں چھ سال مسلسل محنت مصیبت برداشت کر چکنے کے بعد مسٹر ولسن کو لنڈن سے کمپنی کے ڈائرکٹروں نے درج ذیل تار بھیجا تھا :

"Cease work.........come home.........funds exhausted."

اس تار ملنے کے پندرہ دن بعد کا واقعہ :

......Wilson was woken at 4.15 A.M. by unaccutomed noise he ran and found oil sputting 50 feet ... It smothered the drillers as they danced wildly round the dig.

The day was the 26th of May 1908, and though we may be sure that not a single schoolboy will find it in his history book, it was in fact one of the most significant date in world hitory.

Adventure in Oil
by Henry Longhurst

روھی کو تیل سے کیا تعلق ؟ اس اعتراض کا جواب اس دن جس دن بہاولپور کی روھی میں چنیڑ پیڑ کے نواح میں اس سیال سونے کا ذخیرہ مل گیا - روھی بزبان خود دے گئی -

روھی کی کہانی خون کی زبانی : روھی ھی میں لڑی گئی جنگ دراصل فیصلہ کن جنگ ھوتی ھے - چنانچہ پہلی عالمگیر جنگ کا فیصلہ صحرائے سینائی میں بمقام غازہ ھؤا تھا - اور دوسری عالمگیر جنگ کا فیصلہ دراصل صحرائے اعظم ھی میں بمقام الامیں ھو چکا تھا - تحصیل فن سپہگری کیلئے روھی ھی بہترین درسگاہ ھے - صبر ، برداشت استقلال اپنی ذات اور اللہ پر بھروسہ کرنا سپہ گری کے بنیادی اصول ھیں -

"They fight well who pray well."
Marshal Foch

ان اصولوں میں فوقیت رکھنے کا نتیجہ تھا کہ راجہ داھر کو خود اپنے ھی گھر میں جنگ لڑتے

کے باوجود دنیا کی تاریخ میں سب سے چھوٹی عمر
کے سپہ سالار کے مقابلہ میں شکست اٹھانی پڑی
تھی - روھی کے رھنے والے ایک اور نامور عرب
جرنیل کا ذکر کرتے ھوئے فلر ایک انگریز جرنیل
جس کے متعلق محققین کی یہ رائے ھے کہ جنرل
فلر سے بہتر فوجی مبصر آج تک انگلستان میں پیدا
نہیں ھوا - اپنی معرکۃالارا تصنیف (مغرب والوں
کی فیصلہ کن جنگیں) میں لکھتا ھے - " دنیا نے
آج تک خالد بن ولید جیسا جرنیل پیدا نہیں کیا
صحرائے عرب کے ان سپہ سالاروں کے وارث افواج
پاکستان کے پیر و جوان ستمبر ۱۹۶۵ء کی سترہ
روزہ جنگ میں جان پر کھیل کر ایک بار پھر یہ
واضح کر چکے ھیں ع

" آسان نہیں مٹانا نام و نشاں ھمارا "

فن سپہ گری کے اس عظیم ورثہ کی بنیادیں لازوال
طور پر کربلای کی روھی میں ناحق بہائے گئے خون
سے سینچی گئی ھوئی ھیں - سچ ھے ع

اسلام زندہ ھوتا ھے ھر کربلا کے بعد

روھی کی کہانی شعرو ادب کی زبانی :

شعر و ادب کا بہترین سرمایہ وہ ھے جو قدرتی طور
پر ڈھلے بنے - عالمگیر طور پر تسلیم کیا جائے -
کسی حلوائی کے بنائے گئے سیب ، آم ، انگور، قدرتی
طور پر پیدا ھونے والے پھلوں کا سا لطف ، مزہ ، فائدہ
دے سکیں ناممکن ھے بیوٹی کلچر کا کوئی ماھر قلوپطرہ
کے سے گال ، بال ، چشم و لب بنا سکتا تو دنیا کے
سارے امیر حسین ھوتے - جس طرح بچے کی باتیں
قدرت سے قریب تصنع سے مبرا ھونے کی وجہ بے حد
روح نواز دل لبھا ھوتی ھیں - روھی میں رھنے بسنے
والوں کی شاعری " سرمایۂ الہام " - " سرمایۂ
وجدان " - " دم عیسیٰ " - " صور اسرافیل "
مردوں تک سے داد حاصل کیے بغیر نہیں رھتی -

روھی کی کہانی خضر کی زبانی :

یونان ھند و چین کے فلاسفروں کے نظریات کو

بغداد ، بصرہ ، بخارا سے بہاولپور کی روھی میں آکر
اولیا کرام نے جس ذوق اور تندھی سے باوضو کیا
اور مسلمان بنایا ھے اس کرامت اس توجہ کا یہ
پھل ھے کہ بلحاظ کثرت آبادی آج دنیا بھر
میں یہ برصغیر مسلمانوں کا سب سے بڑا مرکز
اور سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان زندہ باد
کی تعمیر تشکیل کا علمبردار ھے - روھی ھی کی
خضرائی کا احسان ھے کہ ھم بزرگان دین کی راھنمائی
میں بانگ درا سنتے کامریڈ زمیندار پڑھتے علیگڑھ سے
اسلام آباد پہنچے ھیں - الھم زد نزد ــ ع :

کشمکش راہ کو منزل نہ سمجھنا !
(مولانا عزیزالرحمان عزیز بہاولپوری)

روھی کی کہانی مالک کائنات کی زبانی :

زمزم - کعبہ - صفا مروی - منیٰ عرفات -
قرآن ، حدیث ، گنبد خضری ، روھی میں واقع روھی
میں نازل کئے گئے عظیم ترین مضامین و مقامات پر
ارسطو - افلاطو اگر لکھنے بیٹھتے تو جانے کیا کچھ
کہتے لکھتے اور والہانہ طور پر ان کی کس قدر
بے حد تعریف فرماتے - ملاحظہ ھو :

اگست ۱۹۵۷ء کے ریڈر ڈائجیسٹ میں جارج
روڈونڈا کے مضمون کا اقتباس :

The marvels of the starry heaven the day that follows the night the rain that gives life to the dead earth - the ship that saunder the sea, the birds that flies the horse that gallops the motionless rose and still stone, the wind the clouds fire water the glance of a woman the smile of a child the palm tree that bends the date that ripens, here O! Belivers are the proofs of the power of Allah. —" THE HOLY QURAN-

علم و حکمت کی اکمل کتاب " قران کریم "
باری تعالی اگر نازل فرمانا چاھتے - ھمالہ کی چوٹیوں

لنڈن کی پکڈلی ۔ لاهور کی انار کلی میں نازل فرما دیتے ۔ لیکن یه عظیم نعمت رب العزت نے جهاں اور جس طرح نازل فرمائی هے روهی کی فضیلت کے حق میں ایسا ثبوت هے که اس کی حفاظت ۔ اس کی اشاعت مہربان ذات مالک کاینات نے خود اپنے ذمه لے رکھی هے ۔ اس پر عمل پیرا هو کر هی نوع انسانی فلاح دارین حاصل کر سکتی هے غیر تحریف شده توراۃ اور انجیل علم و حکمت کی اکمل کتاب قران کریم هی کی اکائیاں دهایاں تهیں ۔ اور ان کے نازل فرمانے کے انتظامات هی ذات بے نیاز نے عرب عراق ۔ مصر و شام هی کے صحراوں میں اجا گر فرمائے تهے ۔

"...inimitable beauty of the desert scene so relentlessly cruel but yet so memorably profound......" Lawrence of Arabia.

کرنل لارنس اپنی مشہور تصنیف (دانش کے سات ستون) میں عرب بادیه نشینوں کے متعلق لکھتا هے:

"Their convictions were by instinct." their activites Intuitional" their largest manufacture was of creeds: almost they were monopolists of revealed religions."

تاریخ کے برفانی عهد میں جب دنیا کے بیشتر حصے بالخصوص براعظم یورپ ته برف دبے بیکار بے جان سنسان ویران هر قسم کی زندگی از قسم حیوانات نباتات سے محروم گل سڑ رهے تهے دریائے نیل ۔ فرات اور سنده کی وادیوں میں واقع ریگستان اور عرب کا جنوبی حصه جو آج لق و دق صحرا هے تهذیب تمدن علم و حکمت کا مرکز تهے ۔ عمان مهران کےدرمیان جهاز رانی ۔ حروف کی ایجاد ابپاشی کے محرایعقول منصوبے بے نظیر باغات کپڑے کاغذ خوشبوئیات کی ایجاد لوهے کی دریافت اور استعمال ۔ آئین قوانین ، عبادت ، سیاست ، ریاست ، عدالت ، تجارت ۔ امریت جمهوریت کے متعلق قواعد و ضوابط کی ترویج کے اولیں معمار اور امانت دار روهی هی کے رهنے والے تهے—منقول از The Backgound of Islam مصنفه عبداله فلبی)

The Crusades introduced the West to the learing of the East and paved the way for the Renaissence. Practically everyone agrees that democracy is a notable Arab quality (quated from Mainsprings of Civilization)

"The object of Arab Life was to be —to be free to be brave and to be wise; while of other to have wealth, to have knowledge to have a name ...." ——

Sir Richard Burton —— quoted from Love War and Fancy by Kenneth Walker.

کهجور کے درخت کی رعنائی زیبائی کے بارے برٹن کا بیان :—

"......... most musical of music - the Palmtrees answered the whispers of the night - breeze with the Softest tones of falling water ...."

An Extract of a latter from Kaisar,s mother to Queen Victoria :—

"......... Our poverty, our dull towns our plodding hard working serious life has made us strong and determined ....
I shuld grieve were we be so taken up with plearure that no time was left for examination and serious thought.

North and West and South are breaking,
Thrones are bursting, Kingdom shaking.
Flee, then, to the essential East,
Where on Partriarch's air you 'ill feast!
There to love, and drink and sing,
Drawing youth from Khizar's spring.
Goethe-in his poem HIGRA.

"...the Jewish, Christion and Mahammadan religions are sister-Faiths (sprung in desert)

having a Common religion......the day will come when Christion will honour Christ more by honouring Muhammad......"

G. W. LEITNER, LL, D.M.A., P.H.D., D.O.L. — Dr. Leitner in his book. Muhammadanism writes :- " My specisal knowledge of Muhammadanism began in a mosque school at Constantinople is 1854 I learnt considerable portions of Kuran by heart."

"........inportant stages on the way to becoming human:- (1) belief (2) development of language."

".........If we trust to Language; it was the movement of the air provided the image of spiritualety, since the spirit borrows its name from the breath of wind (arrimus, Spiritus—Hebrew—ruach Smoke" quoted from :- Moses and Movement of Sigmend Freud.

What the horn is to the rhenocceeros what the sting is to the wasp the Muhammadan Faith was to the Arab of the Sudan (& desert) a faculty of offence and defence.

Noted from — The River War

Written by Churchill when he was 23-24 year old.

☆ ☆ ☆

رت دیاں ھجنوں

رت دیاں ھجنوں ٹھلڑے ساہ　　　لیھنہ دے ملخ دی اب ھوا

زمانہ حاضرہ کے سرائیکی شعرا کرام کے کلام کا انتخاب

مرتبہ : صادق بشیر

باھتام : سرائیکی ادبی مجلس - بہاولپور

تحفہ بیادگار جشن روھی ۱۹۶۷ء

PALM

THE STATELY, SAINTLY DESERT TREE

The Sand, the Camel and, the Palms may have no religion yet somehow or other the very sight of them brightens our souls and makes us feel great.

بہاولپور کے کھجور کے درختوں سے ہماری پرانی جان پہچان ہے - ادھر آدھر یہاں وھاں - جہاں جہاں بچپن سے ہم نے انھیں جس رنگ جس حال میں دیکھا ہے - ساٹھ پینسٹھ سال بیت چکنے پر بھی قیس قلوپطرا کے ان بہن بھائیوں :-

قامت بلندے — دامن درازے —
در رنگ مستی — می خانہ سازے —

صحرا ارا اشجار کو خضروش - میسحا نفس
بے نیاز اب و رنگ - بے نیاز خال وخط
جوان اماں حسن عریاں - گریبان یزداں.
معدن عرفان - نشان بے نشان - عکس ایات
قران - بقول شیکسپیر The trees have tongues
اور بقول مرزا غالب : ''سرمہ مفت نظر''

روھی وچ رھن والیاں دے بالاں وانگوں
مٹیو مٹی چونیاں - کپڑیاں لیر کتیراں نال
کھیڈدیاں کھلدیاں - ٹبے لتڑیندیاں وستیاں
سوھندیاں :-

کتھ ملاں تے منصور ڈٹھم
کتھ چوب رسن تے دار ڈٹھم
فریدرح

'' میرے دل کا سرور ہے تو ''
'' صحرائے عرب کی حور ہے تو ''
'' میرے لیے نخل طور ہے تو ''
اقبالرح

ماخوذ از بال جبرئیل — خلیفہ اندلس عبدالرحمان اول کی عربی نظم کا ترجمہ

اٹو گراف شدہ سرائیکی کے سرورق کی

تفصیلات

سرائیکی رسالے کے پہلے شمارہ کا یہ سرورق کمشنر ھاوس میں منعقد تقریب جو بسلسلہ سیاحت اور چولستانی ترقیاتی منصوبوں کے سلسلہ میں منائی گئی تھی - پر اٹو گراف کرایا گیا تھا سید حسین حیدر صاحب سابق کمشنر بہاولپور ڈویژن حال ممبر ریونیو بورڈ کے عہد کا یہ واقعہ تاریخ بہاولپور کا بہت بڑا واقعہ ہے - صوبے کی اعلیٰ سطحی کمیٹی کے اجلاس کا سیاحت کے فروغ کے سلسلہ میں بہاولپور ڈویژن کے کمشنر کی صدارت میں ہونا — کمشنر ھاوس کے عصرانہ پر اعلیحضرت امیر بہاولپور کا تشریف لانا تحفظ صحرائی حیوانات کے عالمی ادارہ کے پانچ انگریز ممبروں کی شمولیت زمانہ مستقبل قریب میں بہاولپور میں سیاحت کی ترقی کا حیرت انگیز باب ثابت ہوں گے — اس واقعہ - اس امید ، اس یادگار کی یاد سرائیکی کا یہ سرورق دستاویزی ثبوت ہے -

سرورق کے دوسری طرف - میری اور روھی کی ہو بہو تصویر ہے، راقم کی یہ تصویر (عمر [illegible] سال) سائینوز کیمیرینی اطالوی فلم ساز کمپنی سیتہ'' کے کمیرہ مین نے [illegible] ء بمقام ڈاھری ربت کے اس ٹیلے پر جو دراوڑ جانے والی سڑک برلنگہ ڈاھری کے متصل واقع ہے لی تھی — اور انی سے تیار کروا کے بذریعہ ڈاک بھجوائی تھی

بہاولپور کی روہی کی ریت کا سنہرا پیارا رنگ - کریہہ جنڈ ، جال جھاڑیاں چولستان بہاولپور کے بشاش بشاش اشجار اور یہ حقیر :-

''قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا''
اس عہد کی فوج کی فوجی وردی میں ملبوس گذرے بیتے وقت کی تصویر ہے -

سرائیکی

حافظ، پرخوش گفتم - سرائیکی من مے گفتم

میں مٹھڑے بولیندا ہاں	میں اپنا حال سنیندا ہاں
بئی مٹھڑی بولی لگدی ہے	بئی ہند تے سندھ وچ وجدی ہے
گھن بھر کنوں سکھر تائیں	بئی گیت فقر دا ڈسدی ہے

میں سید نذیر علی شاہ کا بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کمال تقاضا کر کے مجھے ایک دفعہ پھر سرائیکی کے وسیع میدان میں بادیہ پیمائی کی دعوت دی ہے۔ جزاک اللہ، سرائیکی! اے سرائیکی، اے مرے پیارے خواجہ فرید صاحب کی پیاری زبان، تیرے لیے میرا قلم ہر لحظ، ہر وقت سرخم ہے، کیا کروں، کیا کہوں، تیرے قدر دان دن بدن عنقا ہو رہے ہیں۔ چوری خور مجنوں تو بہت ہیں تجھے اپنے لہو سے، سینچنے والا کوئی نہیں۔ تیرا اپنا راج پاٹ نہ رہا، نہ فقیر رہے، نہ شاہ رہے، باقی کس کو چاہ رہے۔ لڈ عاشق نے معشوق گئے، سب مالک تے مملوک گئے۔

ہک رفدی ہیں نمانی ہاں - گھن بھندی تیڈی کہانی ہاں ......

آمدم برسر مطلب۔

کسی زبان کے متعلق کچھ لکھنے کے لیے ہمیں اس ملک کے قدیمی حالات اور قدیمی بڑی مشہور شاہی زبان کے ساتھ اس کا تعلق مدِ نظر رکھنا ہوتا ہے۔ موہنجو ڈارو وغیرہ میں کھدائی سے جو آثارِ قدیمہ دستیاب ہوئے ہیں، انہوں نے وادیٔ سندھ کی تہذیب کا زمانہ ۳۰۰۰ ق م سے ۱۰۰۰ ق م تک قرار دیا ہے۔ گویا سرائیکی زبان کی ابتداء کا دور آج سے پانچہزار سال قبل کا ہے تو تاریخ نہیں بدلتی، بلکہ اپنے آپ کو دُہراتی رہتی ہے، البتہ جغرافیہ بدلتا رہتا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے ہم آج جو وادیٔ سندھ کا علاقہ قائم کریں گے ضروری نہیں کہ آج سے پانچہزار سال پہلے بھی اسی طرح ہو۔ آیئے اب جغرافیائی لحاظ سے اس وقت کی وادیٔ سندھ کا نقشہ کھینچیں۔ ملتان سے لے کر کوہِ سلیمان کے دامن تک پانی ہی پانی ہے۔ گھنے جنگلات میں خونخوار درندوں کی افراط ہے، دریاؤں اور پہاڑی نالوں کی کوئی روک نہیں، پانی میں اس قدر مگرمچھ ہیں جتنے خشکی پر پھر۔ آبادی کم ہے، بلکہ خال خال ہے۔ انسانی آبادی گھٹی سکڑی کہیں کہیں نظر آتی ہے۔ انسان کو جہاں جہاں بہت اونچے ٹیلے ملے، اس نے وہاں دو چار گھر بنا لیے۔ دریائے سندھ کے دونوں طرف ٹیکسلا سے لے کر ٹھٹھہ تک۔ یعنی ہڑپہ، دیورا، ملتان، اوچ، پتن منارا، موہنجو ڈارو وغیرہ جیسے شہر، تین تین سو، چار چار سو میل کے فاصلے پر پائے جاتے ہیں، یہاں کے رہنے والوں کا آپس کا میل جول، لین دین کا ذریعہ صرف کشتیاں تھیں۔ ان شہروں کے کھنڈرات کے برآمدات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کا انسان ایک مہذب انسان تھا، برتنوں پر نقوش، ہار وغیرہ کا استعمال، شہر میں گلی کوچے غسلخانے اور نالیوں کے نشان موجود ہیں، وادیٔ سندھ کے لوگوں کی ایک ہی زبان تھی، جس کا نام سرائیکی ہے۔ یہ سندھ میں سندھی کہلائی، بہاولپور میں بہاولپوری اور ملتان کے علاقہ میں اس کا نام ملتانی پڑ گیا۔ اس زبان کی پرانی تحریر عام طور پر کرٹکی کے اکھروں کے ساتھ ملتی جلتی ہے اور سنسکرت نے اپنے الفاظ اس زبان کے الفاظ میں شامل کر کے اسے مالا مال کر دیا۔ الفاظ "ڈ، ڑاں، ج، پچ، گ، گ" وغیرہ وغیرہ۔ اسی صورت کے ساتھ سنسکرت زبان میں بھی ہیں۔ ञ، ट، ढ، ण، ङ، ड یہ الفاظ ڈ، ج، ڑ اور گ کے علاوہ ہیں، جن پر نون غنہ کی آواز کی آمیزش ہے، ان کی پہچان الفاظ کے استعمال سے واضح ہو جاتی ہے۔ الفاظ ڈ، ڑ، ج، گ کی آواز، زبان کے سر سے نکلتی ہے اور الفاظ ڈڑ، ی، ج، پچ گ، گاں کی آواز زبان کے سر سے پرے، تالو اور حلق کے قریب سے نکلتی ہے اور یہ وہ چیز ہے جو زیادہ تر آب و ہوا پر منحصر ہوتی ہے۔ ایک گوجرانوالہ کا رہنے والا پنجابی ڈِ، ڈِ کو ڈِ ڈِ کہے گا اور سِنگ کو سِنگ کہے گا۔ مزید ایک آدھ مثال ملاحظہ ہو، ڈھن ڈنج کتھ وساں، لڈ گئے یار سجن، سنجڑیں جاہ نکانے

گاما گالھ کرے، سیانا قیاس کرے۔

بھن سنگت ڈیواں، جیڑھا ملن آوے۔ لیں وگ چر ہیندا یار، مجلو ذوقی رھندیاں ،آریہ قوم کا پہلا دور تاریخی عہد سے پہلے کا ہے۔ ان کے ابتدائی گروہ شمال مشرق سے نکل کر وسط ایشیا میں آباد ہو گئے اور رفتہ رفتہ مغرب اور جنوب میں پھیلنے لگے۔ دوسرا دور قدرے روشن ہے۔ یہ زمانہ تقریباً ۲۰۰۰ ق م سے ۱۰۰۰ ق م تک کا ہے۔ اس وقت وہ شمالی ہند، ایران وغیرہ میں پھیل کر اقامت گزیں ہو چکے تھے، یہ وہی دور ہے جب کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب بھی ٹیکسلا سے لے کر بابل اور نینوا کے ساتھ اپنا جوڑ ملا رہی تھی چنانچہ عربی کی قدیم فینقی کی رسم الخط کی ہو جو اس طرح لکھی جاتی تھی "د" ۹ موہنجو ڈارو کے برتنوں اور مہر وغیرہ پر بھی اسی طرح موجود ہے۔

مندرجہ بالا نقشہ سے آریہ قوم کے سیلاب کی آمد اور وادیٔ سندھ عیاں طور پر دکھایا گیا ہے۔ وادیٔ سندھ ایک چھوٹا سا نایاب زرخیز ٹکڑا۔ نا ممکن ہے کہ آریہ قوم کی دست برد بکہ تسلط سے بچا رہتا، یہی وجہ ہے کہ جس قدر سنسکرت الفاظ کی سرائیکی میں بھرمار ہے اور کسی زبان میں نہیں اور یہی وہ دور تھا، جسے وادی سندھ کی اولین تہذیب کہا جاتے۔ یعنی ۱۰۰۰ ق م کا دور۔ اب ہم کو دنیا دو بڑی قدیم زبانوں عربی اور سنسکرت کے ابتدائی دور کو مد نظر رکھنا ہے۔

دنیا کی پہلی جنگ عظیم کے بعد یہ بات جدید انکشاف سے ثابت ہو چکی ہے کہ عربی زبان کے ابتدائی مواد نے تیرہ سو سال قبل مسیح ایک کتابی اور ادبی زبان کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ عربی زبان کا لفظ "د" فنقی حرف عطف اس وقت بھی بولا جاتا تھا، اسم اشارہ وہی ہو" ہے۔ پروفیسر (WASHBURN) کا مقابلہ رزمیہ نظموں کا عہد، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول صـ۲۵۸) نے واضح کر دیا ہے کہ ایک تابوت کے انکشاف نے مجربینا کے کتبے کو جس کا زمانہ ۱۰۰۰ق م ہے۔ ساڑھے تین سو سال پیشتر کی کتابت مہیا کر دی۔ انسانی ہاتھ کی علمی کتابت کا سب سے زیادہ قدیمی نمونہ جو اس وقت موجودہ دنیا کے ہاتھ میں ہے وہ ۱۲۵۰ ق م کا ہے اور عربی زبان اور عربی کے فینقی رسم الخط میں ہے، میکس مولر نے ویدوں کی تصنیف کا زمانہ چار عہدوں میں منقسم کر دیا ہے۔

سوتر کا زمانہ ۶۰۰ سے ۲۰۰ ق م تک برہمن ۸۰۰ سے ۶۰۰ ق م، منتر اور دگوید کا آخری بار ۱۰۰۰ ق م سے ۸۰۰ ق م تک چھند، ۱۲۰۰ ق م سے ۱۰۰۰ ق م تک۔ مگر مسٹر اے بی (KEITS) پروفیسر سنسکرت ایڈنبرا یونیورسٹی اپنے ایک مقالہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا میں رگوید کے قدیم ترانے اشنا وغیرہ کو ۱۲۰۰ ق م سے پیچھے لے گئے ہیں (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول صـ۱۱۳)

سنسکرت میں حروف عطف چ (چار) ہے اور لفظ ۹T (ا) ہے یعنی یا بولا جاتا ہے۔ سرائیکی میں اسم اشارہ او اور سنسکرت میں اسو ہے، سنسکرت کا لفظ ادم یہی لفظ او ہے۔ سرائیکی میں وہ پڑی ہے کو کہیں گے، اوپئی۔

کسی قوم کے تمدن کا پتہ اس کے حساب کتاب کے طریق سے چلتا ہے۔ حساب کتاب کے لیے گنتی ضروری ہے۔ اب ذرا اردو، سرائیکی اور سنسکرت کی دس تک گنتی ملاحظہ ہو:۔

اردو	سرائیکی	سنسکرت	
ایک	ہک	اکیہ [illegible]	خواجہ صاحب فرماتے ہیں
دو	ڈو	دُوی [illegible]	ہک ہے ہک ہے ہک ہے
تین	ترّے	ترّی [illegible]	جیڑھا ہک کوں ڈوں کریندے

اردو	سرائیکی	سنسکرت	
چار	چھار	چتر चत्वार	اوکا فرقے مشترک ہے
پانچ	پنج	پنچ पञ्च	بیے ترے دی گئی گالہ نکر
چھ	چھے	شش षष	چھارے یار نبی دے برحق
سات	ست	ستنہ सप्त	ہے۔ پنج گھنٹریں ٹیکوں
آٹھ	آٹھ	اشٹھ अष्ट	گھنٹریں۔
نو	نوں	نو नव	
دس	ڈہ	دش दश:	

دنیا میں رشتے ناطے اور اُن کے نام تہذیب کی پہلی علامت ہے یہی رشتے کی پہچان تھی ہے جو انسان اور حیوان میں تمیز پیدا کرتی ہے۔ سنسکرت اردو، سرائیکی میں چند ایک رشتوں کے نام ملاحظہ ہوں:-

سنسکرت	سرائیکی	اردو	مثالیں
ماتا माता	ما	ماں	بُھل گیا ماپیو بھین بھرا
پِتا पिता	پیو	باپ	جڈاں جا ایم پاکر بھولی ، کرینہہ ڈِنم مالولی
پُتر पुत्र	پتر	بیٹا	پھلوں نمی پنیدی، میکوں امر نیدی کس
دُہتری दुहितृ	دھی	بیٹی	طعنے دیندی۔
بھراتا भ्राता	بھرا	بھائی	त्वमेव माता च पिता त्वमेव
سالا साला	سالا	سالا	त्वमेव बन्धुश्च सखा त्वमेव

त्वमेव विद्या द्रविणं त्वमेव

منتر رَدَید۔ یوں تلفظ کیا جائے گا تومیو ماتا چا پتا تومیو۔ تومیو دھر مسی چہا دھنسی تومیو بندھو شچ ساکھی تومیو (ترجمہ: تو ہی میرا ماں باپ ہے تو ہی میرا دھرم، دھن ہے تو ہی میرا رشتہ دار اور دوست ہے۔)

اس منتر میں سرائیکی اور سنسکرت کے مشترک الفاظ صاف ظاہر ہیں تشریح کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد کھانے پینے کی چیزوں کا نمبر آتا ہے سب سے پہلے دودھ ہے۔ سرائیکی میں کھیر کہتے ہیں، سنسکرت میں بھی کھیر کہتے ہیں۔ ایک جگہ ویدوں میں تاکیداً مثال دے کر کہا ہے کہ گیہ اور ہوں۔ بہت پڑھے لکھے پنڈتوں کو کرانا چاہیے، ورنہ معمولی پڑھے لکھے پنڈت زبر زیر میں غلطی کر جائیں گے اور دعا مانگتے وقت منتر میں کھیر سمندر مانگنے کی بجائے کھار سمندر، یعنی کھارا سمندر پڑھیں گے۔ کھیر سمندر: क्षीर समुद्र: اور کھارا سمندر क्षार समुद्र سرائیکی میں۔ سمندر اور سنسکرت میں سمودر کہتے ہیں۔ سرائیکی میں اناج کو ان کہتے ہیں۔ سنسکرت میں بھی अन्न کہتے ہیں۔ سرائیکی کے الفاظ جو، مسر (مسور کی دال)، ماش، تل، انڈا، سنسکرت میں بعینہٖ اسی طرح بولے جاتے ہیں۔ نیچے لکھے ہوئے دو شلوک ملاحظہ ہوں

व्रीहयश्च मे यवाश्च मे माषाश्च
मे तिलाश्च मे मुद्गाश्च मे
खल्वाश्च मे प्रियङ्गवश्च मे मसूराश्च
मे यज्ञेन कल्पन्ताम्।

الفاظ کی ادائیگی یوں ہو گی۔ بیرسہش چاسے، یوانش چاسے، ماشاش چاسے، تل اش چاسے، مُعَرماش چاسے، کھل شناش چاسے، پرینگ دش چاسے، مسوراش چاسے، یگین کلپنام، یجر وید ادھیا ١٨ - منتر ١٢-

(٢) मा नो वधीरिन्द्र मा परा दा मा नः
प्रिया भोजनानि प्र मोषीः। आण्डा मा
नो मघवञ्छक्र निर्भेन्मा नः पात्रा
भेत्सहजानुषाणि

مانو ودھ راندرا ما پرادامانہ، پریا بھوجن اناتی، پرموشی، انڈا، مانو گھون شیکر نربھنا نہ پرد بھیت سبھا نوتنا منتری (رگوید منڈل ١- سوکت ١٠۴ - منتر ٨)

ترجمہ: اے گھون بہاری (زنسکر) دولتمند، قادر مطلق (اندر) دشمنوں کو مٹانے والے مالک کل آپ ہم رعایا کو مت ماریں اور نہ ناانصافی سے سزا دیجئے، معمولی کام ہم لوگوں کے اور پیدائش سے موجود پیارے خوراک کی چیزوں کو مت چرائیے۔ ہمارے انڈے کی طرح قائم بچوں کو مت ضائع کیجئے اور نہ ہم لوگوں کے سونے چاندی کے برتنوں کو لگاڑیئے۔

سرائیکی میں پیشاب کو مُتر کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر چھلہ کُتری کھڑ ی آں۔ در تے مُتری کھڑی آں۔ ڈاڈھی سُتھری کھڑی آں (لوک گیت چھلہ) معنی: اے محبوب میں نے تیری دی ہوئی نشانی انگوٹھی انتہائی مجبوری اور عالم یاس اور بے بسی میں کنئز ڈالی اور دروازے پر تیری انتظار میں پیشاب تک نکل گیا اور کچھ ہوش نہ رہا گویا گھر کو دیکھنے والا یوں کہے وہ کمین اور واہ صفائی، سنسکرت کا شلوک ملاحظہ ہو:

[illegible]

[illegible] -

سواتی ادائیگی: ریتو مُترنگ وجتی یونگ پر ورش رنی، گربھ وجرایودر اونگ جنم -

ترجمہ ، مرد کا لنگ جہاں سے پیشاب کو چھوڑتا ہے عورت کے یونی (پرائیویٹ جسم) میں نطفہ کو الگ چھوڑتا ہے - وہ نطفہ (جرانیہ) جھتی سے آورتہ ڈھکا ہوا گر گربھ حمل کی شکل بن کر پیدا ہونے پر اس ڈھکن کو چھوڑ دیتا ہے -

اب ذرا اتھر وید کے منتر بھی پڑھیئے - سرائیکی زبان کے الفاظ کو اجاگر کر دیا گیا ہے - طوالت کی وجہ سے ترجمہ سے گریز کیا گیا ہے -

[illegible] (سرائیکی بتیندڑاں، تنوی، متانتا جوں) [illegible]

[illegible]

[illegible]

سرائیکی ہیں س - بھنی ہمیشہ (سوا) اتھر وید، کانڈ - ۴ - منتر ۳ -

(ادھکی ام اتی) [illegible] سرائیکی بالکل ننگی (مما گمنی)

[illegible] .....

سرائیکی ہیں ادھکی ہے ..... اتھر وید - کانڈ ۳ - ورگ ۱۲۶ - منتر ۹ -

[illegible]

[illegible] [illegible]

سرائیکی "نا نرڑ دو ، چھک ڈیو" تان دو

اتھر وید - کانڈ ۴ - ورگ ۴ - منتر ۶ -

اوپر لکھے اتھر وید کے منتر ۹ میں لفظ ادھکی ملاحظہ ہو - اردو میں بھی مثل ہے - ادھکی میں سر دیا تو دھماکوں کا کیا ڈر - بعض کہتے ہیں کہ دھمکیوں کا کیا ڈر - خیر اس بات کو چھوڑیئے - ہمارا مطلب لفظ ادھکی سے ہے - مجھے یہ لفظ پڑھ کر کمال حیرت ہوئی - سرائیکی میں آج تک یہی لفظ اپنے صحیح مضمون میں قائم ہے - البتہ مشینری کی ایجادات آہستہ آہستہ اس کے مٹانے کے درپے ہیں - سرائیکی، ادھکی وانگ جھلیندی مو لے - کیندا من ایہہ بھوئے چھوڑے رب تاں کیندیاں چولاں چڑے - ست پار پکھنڈ جدائی دا - اپنا یار منا دن کیتے سو سو کمر بنا ئیندا -

یجر وید، ادھیائے ۱۹ - منتر ۷۳ میں لکھا ہے ، دودھ کو تھوڑا تھوڑا کر کے پیو - مجھے ایک بہت مشہور انگریز ڈاکٹر کا مقولہ یاد آ گیا وہ کہتا ہے کہ اگر خدا مجھے ایک ہزار سال عمر دے تو میں دنیا والوں کو یہی سمجھاتا رہوں گا کہ دودھ خوراک ہے - اس کو چبا چبا کر پیو ، ہاں تو منتر کے الفاظ ہیں -

اُدیہ کھیرنگ وپیتا - دودھ کو تھوڑا تھوڑا پیو - [illegible]

[illegible]

وید کا ایک اور آسان سا منتر ملاحظہ ہو - اس میں سرائیکی کے الفاظ کون، کیا، قابل غور ہیں -

[illegible]

[illegible]

الفاظ کی ادائیگی کو اسی - کت مماسی، کسی یا اسی، کو نام اسی ارس تے ہم ام المہنی -

ترجمہ - تو کون ہے ، بہتوں کے بیچ کونسا ہے ، تو کس کا ہے تیرا نام کیا ہے ، جس سے تجھے جانیں (یجر وید ادھیائے منتر ۱۹ -)

ویدوں کے مطالعہ سے ایک اور تاریخی پہلو کا انکشاف ہوتا ہے اور تواریخ کے طالب علم کے لیے اس کا جاننا ضروری ہے - آریہ قوم اور ہند میں آباد پہلی قوم میں دو تین باتوں کا نمایاں فرق ہے: آریہ منظم تھے اور پرانی آبادی غیر منظم - آریہ جنگ میں گھوڑے اور رتھ استعمال کرتے تھے - مگر پرانی آبادی کے لوگ اس قسم کے فنون جنگ سے نا آشنا تھے مگر یہ بات صاف ظاہر ہے کہ وادیٔ سندھ میں بسنے والے لوگ بھی کچھ کم طاقتور نہ تھے - انہوں نے آریاؤں کو ناک چنے چبوا دیے - آریہ قوم نے ان کا نام راکشس رکھا اور ان کی کتابوں سے ظاہر ہے کہ ایک راکشس آریہ کے لیے کافی تھا - نقص یہ تھا کہ یہ بکھرے ہوتے تھے - ان کی آبادیاں دُور دُور اور جُدا تھیں - کسی ایک راجہ کے ماتحت لشکر عظیم کے مالک نہ تھے - جب شروع شروع میں آریہ لوگ وادیٔ سندھ میں داخل ہوئے تو ان کو بہت سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ یہاں کے رہنے والے لوگ جن کو یہ جنگلی ، رہائش ، وحشی کہتے تھے ، کئی صدیوں تک ان سے برسرِ پیکار رہے - سب سے بڑی خوبی کی بات جو ان وادیٔ سندھ کے لوگوں کو حاصل تھی - آریہ اس سے نا آشنا تھے - وادیٔ سندھ کے لوگ تیراکی میں ماہر تھے ، کشتیاں بنانے ، چلانے اور دریاؤں

کے پیچ وخم، نشیب وفراز سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آریہ لوگ جس سرعت کے ساتھ دہلی، یوپی وغیرہ کی طرف پھیل گئے اتنی ہی ان کی رفتار سندھ کی طرف سست رہی۔ یہاں کے جنگلات گھرے پانی، تالاب اور بار رفتار کشتیوں کے سوار، ان کے دل ودماغ پر حاوی رہے حتیٰ کہ آریہ لوگوں نے گڑگڑا کر اپنے دیوی دیوتا، پرشور سے ان وحشیوں کے خلاف مدد کے لیے ہاتھ اٹھاتے۔ دریائے سندھ کے جنگلات، گھاس اور دودھ دینے والے جانوروں کی فراوانی ان کے لیے کشش رکھتے تھے۔ چنانچہ دہلی، پنجاب وغیرہ میں اپنی راجدھانیاں مستحکم کرکے وہ وادیٔ سندھ کے زیریں حصہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آہستہ آہستہ کامیاب ہوگئے۔ ایک منتر اس سلسلے میں ملاحظہ ہو:۔

[illegible]
[illegible]

کنبٔ تے کرنتر ڈنتی کیکٹ شو گا دونا شترنگ ڈہن پینتی۔

ترجمہ: پنج خاندان والے نیو بلیوں کو، وحشیوں کو جو گایوں سے دودھ دوہ کر نہیں تپاتے۔ اے اندر (مالک کل) ہمارے ماتحت کر دے تاکہ ہم دودھ سے گھی حاصل کرکے ہون، یگیہ وغیرہ کریں۔

اس منتر میں تین الفاظ سرائیکی کے ہیں۔ گایوں، دوہ، بمعنی دودھنا۔ تپلنی، تپاون، تپانا۔

بہرحال کئی صدیوں کے بعد آریاؤں نے وادیٔ سندھ کے لوگوں کو مطیع کیا اور بڑی بڑی راجدھانیاں قائم کرلیں چنانچہ مہابھارت کی جنگ میں شریک راجہ گندھارا کی فوج کی بہادری کے گن گائے گئے ہیں۔ اسی طرح راجہ سندھو کے لشکرِ عظیم کی تعریف کے پل باندھ دیئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حاکم قوم کی سنسکرت زبان ایک لوکل زبان پر حاوی ہوگئی ہوگی۔ اس وقت کی سرائیکی اور سنسکرت کے میل جول سے ایک ایسی زبان معرضِ وجود میں آگئی ہوگی، جس میں اکثر وبیشتر الفاظ سنسکرت کے ہیں۔ سنسکرت زبان میں یہ خوبی ہے کہ وہ اپنی سالمیت کو برقرار رکھتے ہوئے ہر ملکی زبان کو اپنی وسیع دامانی میں جگہ دے دیتی ہے اور اس کے نام پراکرت رکھ دیا جاتا ہے اور عرصہ دراز کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملکی زبان سنسکرت زبان کی ایک شاخ ہے یا اسی سے نکلی ہے۔ چنانچہ ۵۰۰ ق م بھاوبھوتی اور کالیداس کے سنسکرت کے

ڈراموں میں پراکرت کو بھی جگہ دی گئی ہے اور یہی پراکرت ملتان میں ملتانی، سندھ میں سندھی، گجرات میں گجراتی، ہند میں ہندی، بنگال میں بنگالی کہلاتی ہے جن میں بے شمار الفاظ سنسکرت کے موجود ہیں۔ سنسکرت زبان بے شمار زبانوں میں سرایت کرکے خود مردہ ہوچکی ہے۔

سرائیکی زبان کی گرامر سنسکرت زبان کی گرامر کی طرح ہے۔ مصدر اور فعل امر ایک جیسے ہیں۔

سرائیکی میں گر پڑنے کو ڈھے پون اور سنسکرت میں [illegible] پتن، گرجاؤ، ڈھ پو، سنسکرت میں [illegible] پت، سرائیکی میں رونے کو رودن، سنسکرت میں [illegible] رودن، سرائیکی میں گھیم بمعنی بن گیا۔ سنسکرت میں [illegible] گھم۔ سنسکرت کے اشلوک عام طور پر ترنم سے ادا کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح سرائیکی کے اشعار بھی نہایت دلکش ترنم رکھتے ہیں۔ اس معاملہ میں خواجہ فرید صاحب کا "دیوانِ فرید" اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ سرائیکی زبان کو جس طرح عربی، فارسی الفاظ کی پچاس فیصد آمیزش نے آدھ مؤا کر رکھا ہے۔ انہیں بلکہ یوں کہو کر زرخیز کر دیا ہے۔ اس طرح ظاہر ہے کہ سنسکرت کی تاثر نے بھی اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ نہیں نہیں بلکہ یوں کہو کہ اسے مالا مال کر دیا ہے خدا نے چاہا تو میں کسی وقت دیوان فرید میں سے سنسکرت کے الفاظ ضرب المثال اور مثالیں تشبیہیں لکھ کر بتاؤں گا کہ زبان سرائیکی کو ہندی لفظوں کی آمیزش نے کس قدر شیریں بنا دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر ۵۰۰ ق م والی سرائیکی مطلوب ہو تو اس کی جھلک ڈھیڈھ اوڈ اور سانسی قوم کی زبان میں دیکھ سکتے ہو۔ سانسی وہ قوم ہے جس نے وقت کا ساتھ کبھی نہیں دیا۔ ہر زمانہ میں اپنے وحشی پن کو برقرار رکھا ہے۔ ریسرچ کرنے والوں کو چاہیئے کہ ایک دن ضائع کئے بغیر سانسی قوم کی زبان کی چھان بین کریں تاکہ ہمارے علم میں مزید اضافہ ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم کو اپنا بھی کچھ پتہ نہیں ایک سنسکرت کا شاعر کہتا ہے:

[illegible]
[illegible]

الفاظ کی ادائیگی: نہ جانامی رھنگ تنش دی کتھ نگ سیا بنگ بجوشپا؟ دیوات سکھی دانہ دیتی۔ اس میں "نہ" سرائیکی ہے۔ جانا، جانڑ، جاننا سرائیکی ہے

ترجمہ: مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ انسانیت کیا چیز ہے مجھے کیا معلوم کہ میرے مقدر میں خوش قسمتی ہے بھی یا نہیں۔

میں نے سرائیکی زبان کی ابتدا اور اس پر سنسکرت زبان کے اثرات بیان کر دئے ہیں۔ اسی طرح اس زبان پر عربی، فارسی کے اثرات اپنی الگ نوعیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس زبان کو ۱۰۰۰ ق م سے ۱۰۰۰ ق م تک سنسکرت زبان مانجھتی رہی ہو، اس کے سنورنے کا کیا کہنا۔ اب خوبیٔ تقدیر کہو کہ ۱۰۰۰ء میں سلطان محمود غزنوی کے پے در پے سترہ حملے کیا رنگ نہ لائے ہوں گے۔ پھر وادیٔ سندھ کے علاقہ کو مستقل طور پر غزنوی کی اسلامی سلطنت میں داخل کر لیا گیا گویا ۱۰۰۰ء سے لے کر ۱۹۰۰ء تک عربی فارسی کے ہاتھوں سرائیکی زبان کی خوب رگڑائی منجھائی اور صیقل ہوئی۔ کیا ایسی زبان جو کئی صدیوں تک دنیا کی مشہور مکمل زبانوں سے میل ملاپ رکھ کر پروان چڑھی ہو کبھی نامکمل یا غیر مہذب رہ سکتی ہے؟ درحقیقت یہ زبان ایک ایسے تمدن کی مالک ہو چکی ہے جس میں ہر قسم کے مضمون کو سمو لینے کی صلاحیت ہے۔ کابل کے شمال مشرق کے رہنے والے ہزارہا وندوں (پٹھان) سے لے کر مکران تک کے بلوچ اس کو سمجھ اور بول لیتے ہیں۔

ان ہی چند سالوں میں پنجابی اور اُردو کا جو بوجھ اس پر پڑا ہے وہ اس کی ہیئت بدلنے پر خدا معلوم کیا اثر کرے۔ کیونکہ سنسکرت، عربی، فارسی کے اثرات آہستہ آہستہ کئی صدیوں کی پیداوار تھے۔ خذا لصفا دع ماکدر کے اصول کے مطابق سرائیکی بنتی اور سنورتی رہی۔ ۱۹۰۰ء کی بہترین کتاب خواجہ غلام فرید صاحب کا دیوانِ فریدی ہمارے سامنے موجود ہے آج اس کتاب کو معرضِ وجود میں آئے ہوئے تقریباً ستر برس گذر چکے ہیں۔ مگر کیا مجال کہ اس کے کسی ایک لفظ پر، کسی ایک جملہ پر کسی ترکیب پر کسی شعر پر، کسی ایک نقطہ زیر زبر گھٹانے بڑھانے کی تجویز پیش کی گئی ہو، اس دیوان میں آپ کو سنسکرت عربی فارسی کے الفاظ تو کیا ترکیبیں اور جملے کے جملے ملیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ زبان اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے۔ افسوس کہ انگریز کی بے پرواہی نے اس کو کتابوں میں بند کر کے رکھ دیا ہے کہ اب ملکی حکومت کے دَور میں خدا نے یہ موقع فراہم کر دیا تھا کہ یہ بڑھے پھلے پھولے، مگر واہ رے تقدیر انسانی نقل مکانی سے اس قدر اَن گنت آبادی اس علاقہ میں داخل ہو گئی ہے کہ الحفیظ، الامان اگر سرائیکی بولنے والوں کی آبادی تیس لاکھ تھی تو اس میں ایک کروڑ کی پنجابی اور اردو بولنے والی آبادی ٹھونس دی گئی ہے۔ یہ انسانی میل ملاپ جس میں گداگر، صوفی، پیر، عالم، مہذب و غیر مہذب، مذہبی اور مذہب سے ناشناسا برسم کا عنصر موجود ہے۔ یہ ناگہانی بوجھ اس کے کندھوں پر کچھ اس طرح ڈال دیا گیا ہے کہ یہ اس کے نیچے دبی پڑی ہے۔ ایک مہاجر اور سرائیکی بولنے والے دکاندار کی روزمرہ کی گفتگو ملاحظہ ہو:-

مہاجر : (سرائیکی بولنے والے دکاندار سے) کیوں بھائی دودھ ہے؟

دکاندار : نہیں بھا!

مہاجر : ہے تو سہی، ضرور ہو گا!

دکاندار : نہیں نہیں، ٹرٹر (چلتا بن)

مہاجر دوسری اور تیسری دکان سے یہی جواب سن کر خود ہی بول اٹھتا ہے:

مہاجر : جس دکان پر جاؤ، چیز تو ملتی نہیں، ٹرٹر لگا رکھی ہے۔

ایک دکاندار مہاجر بھائی کو پیسے دیتے ہوئے کہتا ہے گھن گھن" (لے لے)

مہاجر : گھن تو رہا ہوں

دکاندار : (مہاجر سے) دے بھرا پیسے نان گن گھن۔

مہاجر : گن گھن کر رہا ہوں۔

کوئی لاکھ جتن کرے۔ جاری شدہ عمل کو کوئی نہیں روک سکتا۔ ان ہی انیس بیس برس کے عرصہ میں یہ دیکھا گیا ہے کہ شہری اور پڑھا لکھا طبقہ تو سرائیکی بولنے سے کنی کتراتا ہے۔ نئی پود تو سرائیکی کے ٹھیٹھ الفاظ اور محاوروں سے قطعی ناآشنا ہے۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ سرائیکی ایک مکمل زبان ہے جس کی اپنی گرامر مکمل ہے، جو وسیع معانی، الفاظ، جملے اور محاورات کی مالک ہو چکی ہے کہ سنسکرت، عربی، فارسی کی طرح ہر غیر زبان کے الفاظ کو اپنے دامن میں بھر لیتی ہے انگریزی کے الفاظ ہسپتال، ڈاکٹر، نرس، آپریشن، سرجن، سکول، مانیٹر، ریل، سٹیشن ٹکٹ کلکٹر، بس، موٹر، جیپ، سائیکل، ڈرائیور وغیرہ وغیرہ سینکڑوں الفاظ ایسے مانوس ہو چکے ہیں کہ غیر نہیں معلوم ہوتے۔ ایسی مہذب، مکمل، لچکدار زبان کو زمانہ کی نئی دست بُرد سے بچانا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ مبارک ہیں وہ چند ہستیاں جو اس زبان کی ترویج و اشاعت میں زمزمہ سنج ہیں۔ شعر کہہ رہے ہیں مشاعرے قائم کر رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سرائیکی ادبی مجلس اور سوسائیٹیاں قائم کر لی ہیں۔ میں زبان کے اس میل ملاپ کو نئی افتاد یا زبان پر زبردست چوٹ اور مصیبت تو نہیں کہتا۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ آج سے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

غالب دی غزل

مترجم: دلشاد کلانچوی

ایہہ نہ ہئی اساڈی قسمت جو وصال یار ہوندا
جو بیا وی جیندے رہندے ایہو انتظار ہوندا

تیڈے وعدے تے ہیں جیندے، تاں ایہہ جانی کوڑ سمجھی
ایں خوشی توں مرنہ ویندے، جو کچھ اعتبار ہوندا

تیڈی نازکی توں سمجھ کہا قول تیڈا کچا!
نہ تروڑ اینویں سگدا، جو ایہہ پکی تار ہوندا

کوئی میڈے دل توں پچھے تیڈے تیر ادھ پڈے کوں
اینویں پڈ دا ایہہ نہ رہندا، جو جگر دے پار ہوندا

ایہہ انوکھی دوستی ہے، جو بنڑے نہیں دوست ناصح
کوئی چا کریندا چارہ، کوئی غم گسار ہوندا

رگِ سنگ توں وگدا، تاں لہو ایہہ دل نہ کھڑدا
جیکوں غم سمجھدے پے ہو، ایہہ جو کوئی چنگار ہوندا

ایہو دکھ، تاں جان گھنسی، ایہو دل تاں بچ نی سگدے
جو نہ ہوندا عشق دا دکھ، دکھا روزگار ہوندا

آکھاں ہیں تاں کیوں نہ آکھاں، دکھی رات ہک بلا ہے
نہ مرنڑ میکوں برا ہا، جو ایہہ ہکی وار ہوندا

تھیئم مرتے وی جو رسوا، تھیئم کیوں نہ غرق دریا!
نہ کڈاہیں چوڈا مردہ، نہ کوئی مزار ہوندا

اُوکوں ذیکھ کون سگدا، جو ہے ہک داہک تے وکھرا
جو پئے دی بو وی ہوندی تاں ملنڑ وچار ہوندا

ایہے مسئلے، ایہہ تصوف، تیڈا ایہہ بیان غالب
تیکوں تاں ولی سمجھدے، جو نہ بادہ خوار ہوندا

حالات و کوائف

نام : عطا محمد دلشاد کلانچوی ـــــ جائے پیدائش : کلانچوالہ (بہاولپور ڈویژن) ـــــ تاریخ پیدائش : ۴ مارچ ۱۹۱۶ء

تعلیم : ایم اے (اردو) ایم اے (معاشیات) ـــــ تاریخ آغاز ملازمت : ۲۷ جون ۱۹۴۲ء ـــــ مشغلے :۔ درس و تدریس ، علم و ادب ، تحریر و تنظیم ـــــ تصانیف : (۱) معاشیات پر متعدد درسی و غیر درسی کتب (۲) اقبال اور اس کی شاعری پر ایک نظر (۳) نیا ستارہ (کہانی) (۴) سرائیکی (وجہ تسمیہ اور حروف تہجی) زیر ترتیب (۵) غالب دیاں غزلاں (زیر طباعت)

سونہڑیں وطن دا پیارا جھنڈا
ساڈیاں اکھیں دا تارا جھنڈا

چندر وی سونہڑاں ، تارا سونہڑاں   اکھیں ٹھار ، نظارا سونہڑاں
لگدے مٹھا ، پیارا سونہڑاں   ہے سارے دا سارا سونہڑاں

سونہڑاں وطن دا پیارا جھنڈا
ساڈیاں اکھیں دا تارا جھنڈا

اُچا جھنڈا ، شان وی اُچا   اُچی جا ، انسان وی اُچا
دل اُچا ، ایمان وی اُچا   سونہڑاں پاکستان وی اُچا

سونہڑیں وطن دا پیارا جھنڈا
ساڈیاں اکھیں دا تارا جھنڈا

قوم ، تے ملک دا مانڑ ودھاوے   دل ول سجڑاں کوں پیا بھاوے
کھلیاں ہواواں وچ لہرائے   آن ڈکھاوے ، شان ڈکھاوے

سونہڑیں وطن دا پیارا جھنڈا
ساڈیاں اکھیں دا تارا جھنڈا

آسے سے جیں ڈینہ ایندے اولے   وڈھن خوشیاں ، بھن غم ٹھولے
ٹک گن سارے ، ڈکھڑے رولے   ایں توں جھنڈڑی کون نہ گھولے

سونہڑیں وطن دا پیارا جھنڈا
ساڈیاں اکھیں دا تارا جھنڈا

دلشاد کلانچوی

ماخوذ از رسالہ "الزبیر" اُردو اکادمی، بھاولپور۔ آپ بیتی نمبر مکمل مضمون کتاب "صادق نامہ" میں بالتفصیل پیش کیا جائے گا۔

بریگیڈیر نذیر علی شاہ

برمیت اور زمیت انگار رنگ

ع مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا: بچپن کا واقعہ ہے کہنے کے ایک بزرگ جب بھی اپنے نواسے کو میری موجودگی میں دودھ کا گلاس پلانے کی تیاری کرتے ہیں کسی بہانے سے اس کمرہ میں سے کھسک جایا کرتا تھا۔

بے نیاز فطرت کا یہ پہلا سبق تھا۔ جو باسٹھ سال گذر جانے پر اب بھی صرف یاد ہی نہیں خضرِ راہ ہے۔

عمر کے اس زمانہ سے پہلے ہمیں یاد نہیں، بزرگ کہتے ہیں، ہماری یہ عادت تھی کہ جونہی رات کے کھانے پر ہم نے اپنی توند بھری ہم کوٹھے کی چھت پر پڑی ہوئی چارپائی پر جا لیٹے اور اپنے آپ سے فرمایا کرتے آؤ۔

کھلکو ابقلو ا اب اپنے آپ سے کچھ باتیں کریں۔

الغرض بچپن ہی سے ہمارے فاقہ مست مزاج کی ساخت پرداخت کچھ ایسی تھی۔ اور یہ بے نیازی اب تک موجود ہے۔

ع زاہد براں نماز کہ دنیا گذاشتی
ایں ہمت من است کہ عقبیٰ گذاشتیم

کمالِ آرزو: ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے۔ میں امرتسر میں مولوی خیر دین کی مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑا ہال بازار میں سے گذرتا ہوا ایک جلوس دیکھ رہا تھا غالباً یہ اس وقت کے پنجاب کے لاٹ صاحب کی سواری تھی۔ لاٹ صاحب چار گھوڑوں والی گاڑی میں بیٹھے تھے۔ گاڑی کے دونوں طرف ٹھاٹھ دار وردی پہنے گھوڑوں پر سوار دو انگریز تھے۔ اس وقت انہیں دیکھ کر میرے دل نے یہ فیصلہ کیا۔ بڑے ہو کر میں بھی ایسی ہی وردی پہننے والا بنوں گا۔

دل کا فیصلہ تھا پورا کیوں نہ ہوتا۔ چنانچہ بحیثیت اے ڈی سی اور بحیثیت ملٹری سیکرٹری سالہا سال ٹھاٹھ دار وردیاں پہنی ہیں۔ شکر ہے ہمارے نادان دل نے اس وقت لاٹ صاحب والی وردی کے پہننے کا فیصلہ نہیں کیا۔ ورنہ نہ جانے گورنمنٹ ہاؤس بدر لاٹ صاحبان کی طرح آج مارے مارے کہاں پھرتے۔

چند وردیاں، کچھ کوٹھیاں، ڈالر اور عہدے ہی خوشگوار زندگی نہیں
زندگی کہتے ہیں دنیا سے گذر جانے کو!

نگہِ شوق نے کیا جانیے کیا دیکھا ہے: ۷-۸ سال عمر ہو گی۔ میں گورالہ (تحصیل اجنالہ) سے بہاولپور آتے جاتے والدین کے ہمراہ لاہور کے ایک شیخ صاحب کے ہاں جن سے خاندانی مراسم تھے۔ چند دن کے لئے ٹھہر جایا کرتا تھا۔ ہمارے یہ میزبان پرانی وضع کے بزرگ تھے۔ مال روڈ پر دکان اور سنہری مسجد کے متصل مکان تھا چمڑے کا چمکتا ہوا کاروبار، اچھا کھاتا پیتا گھرانہ تھا۔ جوان لڑکے لڑکیاں صالح، باادب باحیا گھر کی زینت تھے۔ باوجود ان اوصاف کے دیہاتی لباس میں ملبوس مجھ دیہاتی کو دیکھ دیکھ کر لاہور کے یہ ننھے لاہوری مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو جاتے اور گھر کی بڑی بوڑھیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر گاؤں کے رہنے والے اس لڑکی نما شرمیلے لڑکے کو مجبور کرتے کہ انہیں کوئی گانا سنائے۔

عقل و شکل ہی نہیں لب و لہجہ بھی کچھ دیہاتی ہی قسم کا تھا۔ مجھے یاد ہے کس طرح میں لاہور کی ان سنولائی کنولائی چہکتی مہکتی لہلہاتی گدرائی کلیوں میں گھرا اُن کے دلکش خد و خال، لباس، انداز سے محظوظ ہو کر اس زمانے کا مشہور گیت "چھٹی بے جا تسین دی راہیا۔ میرے بانکیا ویر سپاہیا۔" دھیمی شرمیلی بے سُری آواز میں الاپ کر ان مہ جبینوں کے قہقہوں کو دادِ تحسین سمجھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتا تھا۔

عمر کے اس عہد میں اگرچہ زبان کو یارا نہ تھا کہ دل کی بات کہہ سکتے لیکن شعوری طور پر دل میں کچھ اسی قسم کا خیال ضرور آ جاتا تھا۔

ان پہ کی راہوں سے ہیں گے لحد میں ہم انتقام !

مزبلہ سے راہ حلال جان بردہ ام !

ایک دن ہم خانہ بیزبان سے نکل کر قریب محلہ کی مسجد میں پانی پینے چلے گئے۔ جس مسجد میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ لاہور کی چھوٹی سی مسجد کے دیو قامت مولوی صاحب نے عرش گیر ایک ایسا نعرہ مارا کہ ہمارے کعبہ دل کی دیواریں دھڑام سے نیچے آ پڑیں اور بے اختیار ہمارا پاجامہ بھیگ گیا۔

ہمارا دین مارشل ٹیٹو والا دین نہیں کہ مارشل ٹیٹو کی طرح ہم مسجد میں پھر حاضر نہ ہوتے۔ البتہ مساجد کی بے رونقی کے سلسلے میں ہمیں اس واقعہ کو یاد کر کے وصل کروں، فصل کروں والی بات اکثر یاد آ جایا کرتی ہے۔

اپنی سوانح حیات میں مارشل ٹیٹو لکھتے ہیں: "میں بڑی تندہی سے اپنے آبا کے دین کی تعلیم میں دلچسپی لیا کرتا تھا۔ لیکن ایک دن پادری صاحب نے میرے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ وہ دن اور آج کا دن پھر میں نے گرجا میں قدم نہیں رکھا۔"

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے

ملیں سے جو چاہے ملاقات نہ ہو کیا معنے ؟

ہمارا ایمان ہے اگر کوئی آرزو کے اُس سراج پر جس کی متحمل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہو سکتی تھی۔ (جس کا ملائکہ مقربین تک کو یارا نہیں) گامزن ہو سکے تو خود اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شرف حاصل ہونا ناممکن نہیں۔

ہماری آرزو کا دم خم اتنا بھی بہت غنیمت تھا کہ ہمیں اکابر مشاہیر وقت میں سے جن گرامی قدر ہستیوں کے حضور حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ان میں غازی امیر امان اللہ خاں۔ ترجمان حقیقت حضرت علامہ محمد اقبال، بابائے ملت حضرت قائد اعظم، شاہ عبدالعزیز ابن سعود، شاہ جارج ششم، راشد علی گیلانی شام میں حکومت فرانس کے گورنر جنرل کاٹرو، فیصل ثانی شاہ عراق۔ والیٔ ہند لارڈ ہیلی فکس اور لارڈ لینلیتھگو، پنڈت جواہر لال نہرو، حضرت مولانا آزاد، گاندھی جی۔ حضرت مولانا محمد علی جوہر۔ ڈاکٹر ذاکر حسین۔ ڈاکٹر اربری جنرل نکر۔ علامہ بزانی محمد اسد رسالہ عرفات کے مدیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۹۱۹ء میں مَیں نے تورخام پر شاہ امان اللہ خاں کی طرف سے بھجوائے گئے وفد جس کی قیادت محمود طرزی بیگ کر رہے تھے کا شاندار استقبال آنکھوں دیکھا ہے۔ گارڈ آف آنر توپوں کی سلامی۔ افواج متعینہ درہ خیبر کے سپہ سالار جنرل شیپرڈ نے جس طرح آگے بڑھ کر سیلیوٹ کر کے افغانستان کے اس وفد کو خوش آمدید کہا وہ اس منظر کو دیکھنے والے ہر ایشیائی باشندے کے لئے بے حد باعث مسرت تھا۔

۱۹۳۲ء میں غازی موصوف کے متعلق طرح طرح کی منحوس خبریں جن کے پھیلانے میں یار اغیار کا ناپاک ہاتھ تھا۔ سن سن کر بے حد جی چاہتا تھا کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو سکوں لیکن اتنا بھی نہ ہو سکا کہ میں ان کی اسپیشل ٹرین تک کو دیکھ لیتا کیونکہ میں ایک فوجی تربیتی کورس پر غازی موصوف کو وطن سے پردیس لے جانیوالی اسپیشل ٹرین کی راہ سے بہت دور ڈیوٹی پر تھا

۱۹۳۵ء میں فرمانروائے ریاست بہاولپور ایک کثیر جماعت ساتھ لے کر فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے حجاز مقدس حاضر ہوئے۔ یہ خوش نصیب ہمرکاب تھا۔ مکہ مکرمہ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ غازی موصوف بھی مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہیں۔ بہاولپور کیمپ مکہ مکرمہ سے کچھ دور وادیٔ فاطمہ میں تھا بہاولپوری زائرین کو حرم کعبہ میں ہر نماز ادا کرنے کے لئے کیمپ سے لاریاں لے آتی تھیں۔ نماز ادا کرنے کے بعد یہ ہدایت تھی کہ بہاولپوری جملہ زائرین کیمپ کی اپنی لاریوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ سوار ہو کر کیمپ واپس پہنچ جایا کریں۔ ایک دن ظہر کی نماز کے بعد میں حرم ہی میں رہ گیا۔ اور لاریوں کے چلے جانے کے بعد غازی موصوف کی قیام گاہ کی تلاش میں نکلا۔ قیام گاہ پر پہنچ کر جس قدر توفیق تھی عربی زبان میں ڈیوڑھی میں محوِ آرام عرب دربان کے حضور ـــ

یاد تھیں جتنی دعائیں صرف دربان ہو گئیں !

لیکن میری اس عشق بازی کے بیان سے اس قیام گاہ کا عرب دربان ٹس سے مس نہ ہوا۔ اور میری غیر فصیح عربی کے جواب میں وقفہ وقفہ کے بعد عربی زبان کے یہ لفظ "لا بعد عصر" کہہ کر چپ ہو جاتا۔

اتنے میں ایک افغان ملازم لڑکا بازار سے کچھ سودا لئے اس ڈیوڑھی میں جہاں میں اپنی آرزو کی مٹی چاپنی کر رہا تھا۔ آنکلا۔ میں نے نہایت ہی ادب سے جھک کر اُس نوکر کو اس طرح سے سلام کیا کہ اس کا اثر ایسا ہوا جیسے بادشاہ لوگوں کو اُن کی تشریف بری اور آوری پر گن سیلیوٹ کی دھنا دھن کے سننے سے ہوتا ہے۔

پہلے تو ہمارے اس کرم فرمانے "ابھی" بعد عصر" ہی کی رٹ لگائی لیکن
بوسی کے عام یتیہ میں نے اُف اور ہائے کچھ اس انداز سے کہا کر بجائے ہماری
آنکھوں میں آنسو آنے کے اس نوجوان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بلیے
بے اجر کہہ کر وہ سیڑھیاں اوپر چڑھ گیا۔ اور فوراً واپس آ ہمیں ساتھ اوپر
لے گیا۔ تیسری منزل جہاں حضرت امیر غازی اور ان کے بھائی احرام باندھے
زمین پر بچھے ہوئے قالین پر بیٹھے تھے۔ ہم باریاب ہوئے۔ نصف گھنٹہ تک
اُردو، فارسی، انگریزی زبانوں میں جوں توں کر کے گفتگو ہوتی رہی۔ اس ملاقات
کے متعلق قابل ذکر باتیں تو بہت ہیں جو تفسیر کتاب ولی اپنی تصنیف زیر ترتیب
میں انشاء اللہ عنقریب پیش کر دی جائیں گی۔ یہاں اس ملاقات کا یہ صرف
ایک واقعہ نذر ہے۔

غازی موصوف نے فرمایا :۔

"دشمنانِ ما یعنی دشمنانِ اسلام می گویند کہ ایشان در دین ہیچ کس
دخل نہ دہند، بظاہر راست می گویند۔ ایشان در دین ما دخل نہ دہند لاکن در
دُنیا ما دخل می دہند و دُنیا ما دین ما ہست۔"

اس کے بعد ممدوح، موصوف نے میری استدعا پر فارسی زبان کا
یہ شعر دستخط کر کے بطور تبرک عنایت فرمایا۔

ابر و باد و مہ خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

اپنے فنِ سپہ گری کا نقلی نہیں اصلی امتحان

تیسری جنگ
افغانستان کا واقعہ

جب ہم اپنی پلاٹون کے ساتھ لنڈی کوتل سے علی مسجد کی نصف راہ کابلی نصف
میل لمبے قافلہ کو پہنچا کر لنڈی کوتل واپس آ رہے تھے۔ قبائلیوں نے دھواں
دھار فائر شروع کر دیا۔ ہماری کمپنی کے کمانڈر میجر سمتھ جو کانوائی کمانڈر تھے
سب سے پیچھے گھوڑے پر سوار خراماں خراماں چلے آ رہے تھے۔ لیکن جونہی
قبائلیوں نے پہلی باڑ داغی میجر صاحب گھوڑا سرپٹ دوڑاتے کیمپ میں
پہنچ گئے۔ ساتھ ہی ہماری لوئیس گن کی خچر لگام چھڑا کر ہم سے پہلے کیمپ میں پہنچ
اپنے تھان پر جا کھڑی ہوئی۔ ہم تھے کہ سڑک پر مگن چلے آ رہے تھے۔
اس کی وجہ ہماری بہادری نہ تھی اس کی وجہ ہماری لاعلمی اور میجر صاحب
کی موجودگی کی وجہ سے لاپرواہی اور بے احتیاطی تھی۔ اگر میجر صاحب یا ہم
سے بڑا افسر کوئی ساتھ نہ ہوتا تو ہم چوکس اور چوکنے ہو کر اپنے جملہ فرائض
اسی انہماک اور ذمہ داری سے انجام دیتے جس طرح آج انگریز کے
چلے جانے کے بعد پاکستان کی حفاظت اور ترقی کے سلسلہ میں سول اور
ملٹری پاکستانی افسر انجام دے رہے ہیں۔

گولیاں اگرچہ ہمیں محیط کئے تھیں کوئی زخمی نہیں ہوا تھا۔ لیکن ہم
اس واقعہ کی یاد کر کے اب بھی اس لئے شرمسار ہو جاتے کہ اس وقت ہمیں
کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس کا سبب غیروں کی قیادت
اور راہنمائی میں کام کرنے کی عادت تھی۔

شمشیر پدر خواہی بازوئے پدر آر

اختیار مجبور و مجبور مختار

۱۹۲۰ء میں میں اپنی پلٹن کے
ساتھ عراق میں تھا۔ لڑائی ختم ہو
چکی تھی۔ کچھ کچھ چنگاریاں اس بجھی آگ کی ادھر ادھر کہیں نہ کہیں بھڑک اٹھتی
تھیں۔ لڑائی فتح کر لینے کے بعد لڑائی ختم ہو چکنے پر قدرتی بات ہے۔
انگڑائیاں جمائیاں لینے کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ خطرہ سامنے سے ہٹ
جاتا ہے اور سپاہ کے رگ و پے میں کاہلی سستی اور غفلت گھر کر
لیتی ہے۔ عربوں کی عظیم سلطنت انگریزوں کی عظیم سلطنت یونانیوں و دیگر
عثمانوی سلطنتوں کا آناً فاناً فتوحات کے بعد سکڑ سکڑ کر ختم ہو جانا اس قسم
کی بے احتیاطی کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ عراق میں انڈین آرمی کا ایک پورا ڈویژن
اس صورتِ حال کا نتیجہ اس طرح سے ستا رہا تھا۔ جس طرح جھیل اور دریا
سے نکل کر بڑے بڑے مگرمچھ دھوپ میں پڑے واجد شاہی مزے لے
رہے ہوتے ہیں۔

ایسے میں ہمیں اپنی پلاٹون کے ساتھ شرکات سے فتح گورج
تک دریا تک دریا دجلہ کے کنارے ایک ایسی مہم پہ بھیجا گیا جس کے
ہم واحد اور ذمہ دار ترین افسر تھے۔ اس ذمہ داری کا اثر اور خطرے سے
بے نیاز جوانوں کی کمان یعنی پورے اختیار کے بوجھ کی وجہ ہمیں اپنے
رب پہ اور اپنے آپ پر بھروسہ کرنا پڑا۔ اور ہم خوش اسلوبی سے اپنے
فرض سے عہدہ برآ ہوئے۔ اس کی اصل اور صحیح وجہ یہی ہے کہ جنت
میں غلام ہو کر رہنے سے جہنم کی نمبرداری بہتر ہے۔

مزے اور مصیبتوں کا طوفانی زمانہ : پہلی جنگ عظیم اور تیسری جنگ افغانستان

کے بعد تاریخ کی کتابوں میں انگریز کے اقتدار کے پڑھے سنے سبق برصغیر کے باشندگان کو پھیکے پھیکے سے محسوس ہونے لگے۔ توڑی بچہ! ہائے ہائے! کے آوازے قیصر کی توپوں سے زیادہ موثر اور کارگر ثابت ہونے شروع ہوئے۔ سرکار انگریز کے لاڈلے ملکی باشندے تک سرکار دولتمدار کے اعزازات خان بہادری نائٹ ہڈ میں ایک ناقابل بیان سی کڑواہٹ محسوس کرنے لگے تھے۔ الغرض ملک بھر میں خزاں کے ختم ہونے سے کچھ پہلے کا سا اداس اداس موسم چھا رہا تھا

اس صورت حال سے ہم کیوں متاثر نہ ہوتے۔ فوج تک میں وہ پہلی سی بات کہ "مزد و خوش دل کنند کار بیش" روز بروز کم ہو رہی تھی۔ کارساز حقیقی کے کسی پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق دنیا کا نیا نقشہ مرتب ہو رہا ہوگا۔ ورنہ بظاہر انگریز کی سرکار کمزور اور ملکی باشندگان کے اسباب و ذرائع قابل اعتماد نظر نہ آتے تھے۔ ایسے میں ہم انڈین آرمی کی ملازمت چھوڑ کر ۱۹۲۶ء میں بہاول پور ریاست کی فوج میں بعہدہ کیپٹن ملازم ہوئے۔ اس جنت میں طرح طرح کی مزیداریوں سے واسطہ پڑا۔ ریاست کا جواں سال جواں بخت فرمانروا خود اچھا سپاہی اچھے سپاہی کا قدرداں۔ سوائے چند خود غرض لوگوں کے لوگ اچھے، امن پسند خوش باش امن و عافیت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ علاقہ بھر میں دولت کم اور خوشی زیادہ تھی۔ تین ایک سال ہی ملازم ہوئے ہوں گے ــــ والئ ملک نے اپنے سٹاف میں لے لیا۔ ہمیں خود احساس تھا کہ اس عزت افزائی کے ساتھ ساتھ نرے مزے ہی نہیں چند عداوتی قسم کی تلخیوں سے واسطہ پڑے گا۔ والئ ملک کی روز افزوں عنایات اس صورت حال کا موجب بن کر رہیں گی۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر سمجھا ؎ اور کافر نے یہ جانا کہ مسلماں ہوں میں

۱۹۳۰ء سے تقریباً تیس سال کے عرصہ دراز میں بارہا طرز سیاست بدلی بارہا انداز حکومت بدلے لیکن نہ اللہ بدلا اور نہ ہی اس کے بندے کئی شیر نما سیاسی گیدڑ ضرورت سے زیادہ گرجے۔ لیکن چند ہی دن تک گرجنے کے بعد بغیر برسے آئے گئے ہوتے رہے۔

اس سارے عرصۂ طوفان میں ہماری سلامتی کی وجہ نہ دیوانگی۔ اگر کچھ تھا تو صرف یہ کہ ہم بندے بنے رہے اور اس عقیدے کے قائل عمر

نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

معاملاتِ مجاز :

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

جب ہمارا عہدہ کیپٹن اور ہماری عمر تیس سال تھی۔ ہمیں پہلی دفعہ انگلستان جانے کا موقعہ ملا اور وہ بھی ایڈیکانگ ہو کر۔ ایڈیکانگ (فارسی میں عہدی' عربی میں یاور) کے منصب پر فائز ہونے والوں میں امانت، دیانت کے علاوہ قد و گیسو ناک نقشہ گفتار' رفتار' انکار جیسے محاسن کا ہونا ضروری ہے۔ ممکن ہے ان محاسن میں سے کچھ ہمارے حصہ میں آئے ہوں کہ ہم اس حیثیت سے لندن جا رہے تھے۔

سمندر کا سفر بحری جہاز کے ذریعہ طے کر کے بارہ دن کے بعد لنڈن پہنچنا تھا۔ سمندر کے اس خوشگوار سفر میں ہمیں زندگی کے ایک ایسے دلچسپ واقعہ سے واسطہ پڑا جس کی یاد تک سے جان و دل پر بہار ہو جاتے ہیں۔

پی اینڈ او کمپنی کے جہازوں کی سج دھج کیا کہنے۔ مسافر ہمراہیوں کی شان شوکت کیا بات، شہزادوں، سوداگرزادوں، صنم ہائے فرنگ گردش کے ساتھ نیلے گہرے پانی کی گرتی اچھلتی سفید لہریں، لوہے لکڑی کا گھر مسافروں کی بستی، جہاز اپنے دل کا دھواں نکالتا۔ منزلیں نہ ختم ہونے والی منزلیں طے کر رہا تھا۔ عدم صفت سمندر کی طویل و عریض سناٹے دار وسعتیں۔ آزاد تازہ ہوا۔ ڈنر کے بعد کا خمار آلود وقت۔ جہاز کے ہمراہ سمندر کی لہروں کے ساتھ کھیلتا ہچکولے لیتا چودھویں رات کا چاند ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شوخ شریر بچہ ہنگھوڑے سے اچھل اچھل کر گرنے کا بہانا بنا کر اپنی ماں کو ڈرا رہا ہو۔ میں اپنی اس آپ بیتی کے بیان کرنے میں نہ تو کوئی بخل اور نہ کوئی غلو کر رہا ہوں۔ اس مضمون کے آغاز ہی میں میں عرض کر چکا ہوں کہ ؎

ہرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا

بنیادی طور پر "مزاج غم عشق" اور "مزاج غم روزگار" انسانی مزاج کی دو قسمیں ہیں۔ فی زمانہ عاشق مزاجی کے مذاق اڑانے کی وجہ مغربی طرز

کا بنا سپہ تو عشق ہے۔ عاشقانہ مزاج والوں کا کردار اگر مزاج انسانیت کی پیداوار نہیں تو ان کے حق میں بوالہوس کہنا بجا ہے۔ عشق حقیقی کے بغیر نہ دین کا کام اور نہ جہان کا کام چل سکتا ہے۔ کشتیاں جلانا ہی کافی نہ تھا کشتیاں جلا کر آج کوئی اندلس تو فتح کر دکھائے۔

LOVELESS MIND
IS A CUP WITHOUT WINE
WEALTH AND WEAPONS EMPTY VESLE;
MAKE NUCH MOISE
WHERE FORE– THE SAGES SAY–

"شراب تو دے"

برصغیر کے تقسیم ہو چکنے پر چند مہینے بعد مجھے ایکار سرکار نہیں۔ مدت کے سلسلے میں بھارت جانے کا موقعہ ملا تھا۔ محض حسن اتفاق کوئی خدا ساز بات ہوگی۔ کہ ہم حکومت بھارت کے ہفتہ عشرہ تک معزز مہمان ہو گئے۔ کھانے کی میز پر وزیراعظم اور مرکزی حکومت کے وزراء کے ساتھ ڈنر لنچ اڑانا اور وہ بھی اس صورت میں کہ ہمارے ان معزز میزبانوں اور ہمارے سوا کوئی اور کھانے کی میز پر نہ ہو۔ ہماری سمجھ میں آج تک نہیں آ سکا۔ خدا ساز باتیں کچھ ایسی ہی ہوتی ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور ہوتی رہتی ہیں۔ بھارت کے قیام میں ہم پہ یہ ایک راز ؏

در سینۂ نصر الدین جز عشق نہ گنجد!

ہم نہیں جانتے کیوں کھلا۔ شاید اس کی وجہ بھارت سرکار کے دفاتر میں تعینات قلوپطرہ صفت دیویوں کی فوج ہو۔ سچ کہا ہے ؏

حُسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

دلی کے اس سیر سپاٹے میں ہمارے ذہن میں ایک نئی بات آئی کہ عناصر چار نہیں پانچ ہیں۔ جہاں تک آگ، پانی، مٹی، ہوا کا تعلق ہے بھارت کے حق میں قدرت نے بمقابلہ پاکستان بے حد فیاضی فرمائی ہے اور آج مغربی چھوٹی بڑی ریاستیں بھارت پر نثار ہو ہو جا رہی ہیں

اس سیر سپاٹے کے بعد جب میں وطن واپس پہنچا تو ایک بہت بڑے صوفی نے مجھ سے فرمایا:۔ "سنا ہے آپ بھارت گئے تھے۔ گئے وہاں کیا کیا دیکھا؟" میں نے عرض کیا۔ جناب آج کے میری سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ بھارت معشوقوں کی دنیا اور پاکستان عاشقوں کا دیس ہے بڑے اللہ والے بزرگ تھے۔ خوب ہنسے اور میری اس تحقیق کی خوب داد دی۔ خالق اکبر کی کائنات میں پانچواں عنصر عشق ایک ایسی طاقت ہے کہ بالاسے اگر پاکستان کے حصے میں آگ، پانی، ہوا، مٹی زیادہ نہیں آئے رانجھے تو آئے ہیں۔

آؤ پھر ذرا ہم اپنے سمندر کے سفر اور اپنی شان محبت کی بات کریں۔ سمندر کے اس سفر کے متعلق جس کا میں ذکر کر رہا تھا۔ ایک شگفتہ سا واقعہ یوں رونما ہوا۔ اس جہاز کے مسافروں میں ایک شہزادی بھی تھیں۔ وہ بڑی خوبصورت تھیں۔ اور اپنے وطن اندلس سے تشریف لے جا رہی تھیں۔ جہاز کے مسافر خصوصاً البیلے جوان اور جہازی عملہ کے نوجوان افسران کو اس طرح گھور رہے تھے جیسے انہیں آنکھوں میں گھول کر پی جانا چاہتے تھے۔ لیکن شہزادی موم کی بنی ہوئی نہ تھیں۔ جہاز پر شرطیہ کھیلوں کے مقابلے کافی طاقت اور لیاقت طلب ہوتے ہیں۔ کسی رو رعایت کی وجہ نہیں۔ موصوفہ نے ہر کھیل میں پہلا انعام جیتا۔ یورپ ایشیا کی کئی زبانوں میں اہل زبان کی سی دسترس تھی۔ غیر مسلم تھیں لیکن قرآن پڑھا تھا۔ فارسی زبان کی غزلیں یاد تھیں۔ تصویر کشی میں یہ اعجاز کہ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی تصویر کھینچ کے رکھ دیں۔ رہا ان کی اپنی اصل تصویر کا معاملہ ——— صنم فرنگ، کجلائی آنکھیں، گندمی رنگ، ان کی جوانی صبح تبسم شام سہانی، اچلتا مچلتا اُن کا شباب پریدہ رنگ رمیدہ بو۔ مہر بہ داماں قہر بدوش۔ کائنات گل کرشمۂ نور ہر گام طوفان ہر لمحہ طور، نظر نظر دفتر ہی دفتر۔ بے تار ڈاک بے جبرائیل ؎

پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

لیکن اسی سلسلہ میں ہمارے ڈاک خانے اور تار گھر میں بلیک ان (BLACK–IN) تھا۔ جہاز کے بعض مسافر سمجھاتے۔ میاں بات کرو۔ شہزادی تم سے باتیں کرنے کی آرزو میں گھلی جا رہی ہیں۔ ہم ٹھہرے ایڈ کانگ صرف ایاز ہی نہیں۔ خم زلف ایاز سے زیادہ پُر پیچ، سعادت مند اور برخوردار لیکن باوجود اس سعادت مندی کے ہم محبت میں حکومت کے قطعی قائل نہیں۔ عشق اور محبت میں دیوانگی کے ہم ہرگز قائل نہیں۔ طارق کوئی دیوانہ تھا۔ "ایاز قدر خویش بشناس" پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ ادھے

ادھورے نکتے سمجھتے ہی نبوت کے دعوے ہونے لگتے ہیں

آؤ، ہم اپنی ہی بات کریں چھوڑو ان دعویداروں کو۔ اپنے اس جہاز کی صفر کئی سو فٹ ہی کی دُنیا کو لو۔ عشق مشک کا زور تھا۔

ایک دن ڈنر کے بعد شام گذرے دیر ہو چکی تھی۔ ہم سرسراتی ہوا میں جہاز کے جنگلے پر جھکے اُس حسین و دلنشین گمگین تنہائی میں اپنے اللہ سے باتیں کر رہے تھے۔ ہمارا کچھ ایسا ہی معاملہ ہے جب بھی ہم پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ ہم انہیں بلا لیا کرتے ہیں۔ اور وہ بھی کچھ ایسے بھلے مزاج کے واقع ہوئے ہیں پروٹوکال کی پلصراط سے باریک نزاکتوں کو پھاند کر ہر گلی محلہ یا میدان؟ کوئی وقت اور کوئی مقام پاسپورٹ پرمٹ کے بغیر ہر جگہ ہر وقت آناً فاناً پہنچ جاتے ہیں اور نہ ہی کبھی ان کی طرف سے ہم نے یہ عذر سنا ہے کہ کانسائی کانفرنس کا ایجنڈا اب کے طویل ہونے کی وجہ سے ہماری حالت پر توجہ کرنے کی انہیں فرصت نہیں مل سکی۔

الغرض جہاز کے سفر کی اس شام کو ہمارے دو جہاں سے فارغ لمحات جب مکان و زمان کی قید سے آزاد "ذات گوں ملی ذات تے گا نمن مول نہ رہیا"[1] ہو رہے تھے۔ اور ہماری زبان ہی سے نہیں ہماری رُوح سے یہ آواز اٹھ رہی تھی۔ شعر

خاطر مشغول عاشق را تماشہ دشمن است

کسی نے چپکے سے قریب پہنچ کر کہا "تم ہم سے بات کیوں نہیں کرتے

مصرع بادے نہ رسیدی خدا چہ می جوئی (؟)

اتفاقاتِ حسنہ: غالباً ہر شخص کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے وقت کی مشہور ہستیوں کی خدمت میں حاضر ہو سکے۔ ہماری دلی خواہش ہی کی یہ کرم فرمائیاں ہوں گی کہ ۱۹۱۱ء لاہور میں موقعہ پر حاضر ہو کر ہم نے مولانا محمد علی جوہر، مہاتما گاندھی اور مولانا آزاد کی سیاست خیز، حریت پرور تقریریں سُنی ہیں

[1] "ذات کوں ملی ذات تے گا نمن مول نہ رہیا

(یہ بہاولپوری زبان کا شاہپارہ ہے)

اردو زبان میں اس کا مفہوم قریب قریب اُردو کے اس شعر کے مطابق ہے

ہاں مجھ کو بےخودی کی وہ ساعت بھی یاد ہے
محسوس ہو رہا تھا۔ خدا ہو گیا ہوں میں!

ہم کس قطار میں شامل ہیں لیکن بے حد آرزو تھی کہ کس طرح ہم حکیم الامت کے حضور حاضر ہو سکتے۔ ہماری اس باریابی کا واقعہ اتفاقاتِ حسنہ کا یقیناً ایک عجیب و غریب واقعہ ہے۔

کسی پہلے سے طے شدہ پروگرام کے بغیر اُدھر تو حکیم الامت نے مجھے یاد فرمایا اور ادھر خود اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کا بنفسِ نفیس یہ اشارہ صادر ہوا کہ میں لاہور جا کر حکیم الامت کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ میں کیوں یاد فرمایا گیا۔ اور میں کیوں بھیجا گیا تھا؟ ہم یہ نہیں بتلائیں گے مگر ہم اپنی آپ بیتی کے اس سلسلہ میں یہ ضرور بتلائیں گے کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر میں نے کیا سُنا اور کیا دیکھا؟ بہت سی اور اچھی اچھی باتوں کے علاوہ مجھے لارڈ لوتھین (ہندوستان کے آئندہ ہونے والے والیری) کے اقبال منزل میں حاضر ہونے کی درخواست کا واقعہ اور یہ ناچیز خود یاد فرمایا گیا تھا۔ اور قدرت کے عجیب و غریب انتظامات کی بدولت حاضر خدمت تھا۔ خوب یاد ہے۔

میں خدمت اقدس میں اکیلا ہی حاضر تھا۔ علامہ مرحوم پلنگ پر آرام فرما تھے۔ اس کمرہ میں ایک ہی کرسی پڑی تھی۔ جس پر میں بیٹھا ارشادِ گرامی سُن رہا تھا۔ اتنے میں میں کیا دیکھتا ہوں۔ اقبال منزل کے اس کمرہ میں تین ہستیاں شام کے وقت چراغ جلے حاضر ہو۔ ہاتھ جوڑ سر جھکائے کھڑی تھیں۔ اُن میں ایک تو تھے پنڈت جواہرلال نہرو دُوسرے تھے میاں افتخارالدین مرحوم اور ایک تھیں خاتون

"اپنی خوش نصیبی کا ایسا ہی یہ ایک اور واقعہ ہے کہ کراچی سے لارڈ ڈرلیول کے ساتھ (معہ دیگر ممبران وفد جنہیں تقسیم برصغیر کے سلسلہ میں لندن جانا تھا) حضرت قائداعظم کے جونہی لندن تشریف لے جانے کا علم ہوا۔ اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور نے ارشاد فرمایا کہ پہلی گاڑی سے میں کراچی روانہ ہو جاؤں۔ اور قرآن کریم کا ایک نسخہ بطور قرآن وسیلہ قائداعظمؒ کو ہدیۃً اس دعا کے ساتھ پیش کر دوں کہ موصوف ملت کی ایک اہم خدمت کے سلسلے میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیابی نصیب فرمائے اور خیریت سے شاد و کامران وطن واپس تشریف لائیں

انگلستان کے ایک مبلغانہ کی سیر: انگلستان کے ایک مبلغانے میں بھی اس واسطے

جانا پڑا کہ ہم جمعیت المسلمین لندن کے صدر تھے ۔ اور اس انجمن کے سیکرٹری کو اس لئے بلایا گیا تھا کہ ایک انگریز مسلمان قیدی کی ماہِ رمضان کے سلسلے میں دینی معاملات میں ہم انجمن کی طرف سے کیا مدد کر سکتے ہیں۔

مدد امداد کے سلسلے میں جو کچھ ہوا سو ہوا۔ لیکن میں انگریزیوں کے اس جیل کو دیکھ کر متعجب ہو رہا تھا۔ کیونکہ جیل خانہ کا بڑا دروازہ جیل خانے کے چھوٹے موٹے ملازم، جیل خانہ کے دروازہ کی چابیاں ہمارے ہی ملک کے جیل خانوں کے ملازموں، چابیوں اور بڑے دروازے کی طرح بڑی ڈراؤنی ہی تھیں ۔

ایک پرانی رزمگاہ کی زیارت

اس رزمگاہ کا ہمیں کوئی علم نہ تھا۔ ہمارے ۱۹۵۴ء میں جنوری کے مہینہ میں عالمی کمیونسٹ کے حق میں سوائے اپنوں کے سارا ہی زمانہ تھا کہ سفر میں ہم جنوبی فرانس کے شہر میں (چالون) شہر کے ایسے ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ جس سے سستا ہوٹل دنیا میں شاید کوئی اور ہو۔ ہم اس شہر میں رات کے گھپ اندھیرے میں بے حد سردی اور برفباری کے طوفان میں پہنچے تھے۔ لیکن باوجود اندھیرا ہونے کے بے جانے اس شہر کی ہوا اور خاک تک سے خون کی بو آ رہی تھی اور میں اپنے ساتھیوں سے چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ مجھے اس علاقہ کی خاک اور ہوا سے خون کی بو آ رہی ہے۔ بلا کی سردی میں کوہ ایلپس کے برف زاروں میں سے ہمارا یہ گذر ایک دوسری ہی دنیا کا سفر معلوم ہوتا تھا۔ پہاڑ کے دامن میں واقع تمام گاؤں خالی۔ گرجا گھر خاموش اور ساری کائنات اس علاقہ کی سہمی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ پہاڑ پر بل کھاتی چڑھتی سڑک پہ جا بجا خبردار ! کے نوٹس لگے ہوئے تھے۔ ہمیں ایولانچ کی قیامت خیز گرفت اور غارت گریوں سے قطعی طور پر بے خبر تھی۔ ورنہ جگہ جگہ ان نوٹسوں کو دیکھ کر ہمارا رہا سہا دم بھی خشک ہو جاتا شہر (چالون) جس کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں کے متعلق مجھے بعد میں معلوم ہوا ۵۵ء میں جب اس ملک پر اٹلا نے حملہ کیا تھا۔ یہاں بڑے معرکے کا رن پڑا تھا۔ اس شہر میں برف کے طوفان میں ہم اور ہماری شورد قسم کی موٹر نے اٹلی۔ یوگوسلاویہ یونان میں سے سفر کے دوران دو پٹخنیاں کھاتی تھیں کہ پناہ! اسکوپیے جو حال ہی کے زلزلہ میں تباہ ہوا ہے۔ وہاں درجہ حرارت ۲۴ ڈگری درجہ انجماد سے نیچے تھا۔ جب یہ سفر کرتے ہم خستہ حال استنبول پہنچے تو یہ اتفاق حسنہ ہی تھا کہ ہم استنبول کے مملو یا محلہ میں غازی خاں صاحب کے مہمان ہو سکے۔ روس کے زارانہ دور میں غازی خاں اور غازی خاں کے بزرگ روس میں نیم آزاد ریاستوں کے ایسے ہی فرمانروا تھے جیسے کل برصغیر میں بروودہ بیکانیر کی ریاستوں کے فرمانروا۔ غازی خان۔ میڈیم ان کے صاحبزادے رؤف بے اور صاحبزادی ناظمہ واقعی کرہ قاف ہی کی مخلوق معلوم ہوتے تھے۔ ان کی مہمانداری عربوں کی مہمان نوازی اور حاتم طائی کی سخاوت کا نمونہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے ان میزبانوں کے جب ترک دوست ان کی طرف سے تعارفی خط لے کر بہاولپور تشریف لائے۔ ہم ان کی بہاولپوری روایات کے مطابق جو کچھ بھی ہو سکا خدمت کر سکے۔ ہمیں اس کے متعلق غازی خاں صاحب کی طرف سے کچھ اس قدر محبت بھرا خط موصول ہوا کہ اسے ہم نے اپنے متاعِ عزیز کی طرح سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ یہ بھی غالباً اتفاق حسنہ ہی کا واقعہ ہے کہ ڈاکٹر ہیمرشولڈ سیکرٹری جنرل یو این او نے ہمارے ایک اچھے ضروری اور رجسٹرڈ خط کا جو ہم نے مرحوم کو عالمی فوج کے بنانے کے سلسلہ میں لکھا تھا جواب نہیں دیا ؎

شکایت ہائے رنگیں کا گلہ کیا !

ایک ہی شب گو رہے لیکن گلوں میں ہم رہے:

میں ۱۹۱۹ء میں اپنی پلٹن کے ہمراہ اس دستے کے ساتھ شملہ گیا تھا۔ جس کے سپرد اس سال والیریا کے جان و مال کی حفاظت کی گئی تھی۔ پہلی دفعہ پہاڑ دیکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پہلی عالمگیر جنگ ختم ہوئی تھی۔ اور ہندوستانیوں پر خان بہادریوں اور نائٹہڈوں کا موسلا دھار مینہ برس رہا تھا۔ اور ملک بھر کے خطاب یافتہ خاندانوں کی تعلیم یافتہ جوان لڑکیاں ملکی زرق برق لباس میں پردہ سے باہر آنا شروع ہو گئی تھیں اور ان کے دم قدم سے شملے کی مال روڈ .... شعلے ہی شعلے۔ جلوہ ہی جلوہ طور ہی طور ہو ہو کر جگمگا رہی تھی۔ (والیریگل لاج) کے دروازے پر گارڈ کمانڈر کی حیثیت سے مامور وائسرائے کے گھر دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں کو آتے جاتے دیکھ کر میں دل ہی دل میں یہ آرزو کیا کرتا تھا کہ کبھی تو اس مکان کے مکینوں سے ملنے کا ہمیں بھی کوئی موقعہ مل جاتا۔

غالباً یہ اس آرزو کا پھل تھا کہ ۱۹۴۷ء میں ہم والیریگل لاج شملہ اور والیری ہاؤس دہلی میں ایک دن اعلیٰحضرت امیر بہاولپور کے سٹاف افسر کی حیثیت سے مہمان رہ چکے ہیں۔

ان بڑے لوگوں کے ہاں اٹھنے بیٹھنے طعام قیام کے متعلق چند ایسے ادق قسم کے قواعد اور آداب ہوتے ہیں کہ جن سے ناواقفیت

کہ ہم سے ایک اچھے بھلے آدمی کو بڑی کوفت ہوتی ہے۔ شراب کی قسمیں جانے دیں خوب کے زمانے سے واقف ہیں گھیلنے کے آداب سے آشنا وائیسرائے ہاؤس کے ساتھ رقص کر سکتے وہ انتہائی مہذب سمجھا جاتا ہے ہم ان تمام شائستگیوں سے محروم رہ گئے پیچھے اور اسکے اشارہ کرتے ہی کی نقل پڑھنے والے اپنے آقا کی طرح شراب، رقصوں سے صحیح بڑی کمیوں سے ہی ہر قسم کی مخلوق لیکن ہم بیت اس لئے کہ دکھوں کی گراوٹ کا زمانہ تھا ان ایام میں شہر اخبار دیوان کی خوب جہت کر رہا تھا اور امیر بہادر کے پہنچ صوفیا دوا جی کی ہدایت کے نظر معزز مہمان کے منشا کے مطابق کھانے میں حلال حرام تو کیا مرچ مسالے تک اور نفیس ہو۔ بنا وٹی جلال جمال تک سے احتیاط برتی گئی تھی۔

نصیب کی ان چہرے ہوں کے باوجود کھانے کی میز پر میں والیرجی اور اور والیہ جی کے اس قدر قریب بیٹھا تھا جس قدر کہ ان کا تعین اپنا پنا منظم بھال کے ہر شخص کے کندھوں پر سوار بیٹھے سمجھے جاتے ہیں

ویسے تو رحیم الرتبہ نے بان ہر وجہ کے ملاقاتیوں کو ا سرور فکر کرکے کافی خوب جانتے ہیں اور مجھ جیسا کو بھی بڑی کے ساتھ جانچ تول کر چھ دیتے ہیں اور فرحت تمع خوار دیکھ کر

لیکن ان دنوں حالات اور تھے اس کھانے میں انسان افسر بیچارے کا یہ فرض ہوتا ہے کہ حال تحال کے ہر مرحلہ پر اکبر اعظم کے نورتنوں کی طرح برجستہ دانہ حاضر جوابی اور دانشمندی کا انسائیکلوپیڈیا ثابت ہو۔

اس امتحان میں کامیابی کا دار و مدار بے نیازی کی صحیح مقدار پر مبنی ہے بے نیازی کی صحیح مقدار "لاتحزن ان اللہ معنا" پر پورا ایمان رکھے بغیر ناممکن ہے یقین کی اس حد تک پہنچ چکنے کی وجہ کہ جب اللہ میاں ہمیں اندر کے اس اکھاڑے میں باوجود بے بال و پر ہونے کے لئے آئے ہیں اس مراحل معاملاتی اور میزبانی کے ہر مرحلے پر ہماری امداد فرمائیں گے۔ ہمارے اس نورانی یقین کا یہ انعام تھا کہ سطوت و سیاست کی اس اس چند روزہ جنت میں ہم سرخرو رہے۔

والیرجی کا دوروں میں ایازی کے امتحان کے سلسلے میں جن مسائل۔ معاملات اور محبت سے ہمیں واسطہ پڑا ان میں سے از خروارے نمونہ پیش ہے

ڈنر کے میز پر : (لیڈی لنلتھگو، ہمیں مخاطب کرکے) ہم سے جو بات نرالی وہ مہر تیس کے فرار ہونے کا واقعہ تھا۔ موصوف کے الفاظ تھے "گورنل شاہ! یہ مہر تیس کے فرار ہونے کا واقعہ بھی کس قدر عجیب حیرت واقعہ ہے؟"

استفہامیہ انداز میں کی گئی اس بات کا جواب دینا چنداں مشکل نہ تھا۔ لیکن موصوف کے اس سوال کے جواب میں میرا صرف "یس یور ایکسی لینسی" کہہ دینا کافی نہ تھا اور "نو یور ایکسی لینسی" تو میں کہہ ہی نہیں سکتا تھا۔ آخر مجھے کچھ نہ کچھ تو کہنا چاہئے تھا۔ یہ نہیں کہ میں کہہ دیتا "ایم ٹم ہی بنا ڈز ٹیبل پر باقی پانچ حضرات اور اعلیٰ حضرت میرا خیال ہے اس انتظار میں ہوں گے۔" دیکھیں کیا گزرتی ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک" ملٹری سیکرٹری صاحب کیا کہتے ہیں اور کس طرح؟

میرے لئے اس معمولی سوال کا جواب عرض کرنا کچھ اس لئے بھی کافی احتیاط طلب تھا کہ اس بارگاہ تک کی رسائی کے سلسلہ میں میرا یہ پہلا موقعہ تھا۔ ہم نے ایک مرتبہ ہی نہیں معقول اور تلا ہوا جواب جو اس حادثہ عظیم کے موقعہ پر فوراً اور فی البدیہہ عرض کیا تھا۔ یہ تھا۔ "یور ایکسی لینسی! وہ دن دور نہیں کہ ما شمرا ہم کنند اور یم۔"

اس امتحان کے پرچہ "الف" میں تو ہمارا خیال ہے ہم پکے ایاز ثابت ہونے ہوں گے۔ البتہ اس خواب کے بیان کرنے پر ہماری آنا اس لئے کہ ہم نے ہونہ ہو خوشامد کی ہے۔ ڈنر کے دوران سہم سکڑ کر بیٹھنے کے باوجود آتش نشاں ہو رہی تھی۔ لہذا ہم نے یہ تہیہ کر لیا کہ اب کے لیڈی صاحبہ نے کوئی بات کی تو خطر اس پر ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ ہو۔ بجائے جی حضوریوں کا پارٹ ادا کرنے کے ہم کسی قیمت پر بھی ایک مر پروین کونا تو کجا اپنے دل اور دماغ کی آنکھیں بند کرکے آتش نمرود میں کود پڑا۔ عشق ہو کر لیڈی صاحبہ کی ہر رات سے ٹکرا کے اپنی عرش دقار آنا کو زندہ باد کر لیں گے۔

لیڈی صاحبہ نے جو غالباً ایازانہ جواب سے محظوظ ہو چکی تھیں میری استطاعت علمی اس دور کے نصاب "گاڈ ڈیلوسی کنگ" کے مطابق کافی سمجھ کر بزم امتحان کے پرچہ "ب" کے حل کیلئے مجھ سے یہ فرمایا کہ انہیں شیشم کے درخت سے محبت ہے۔

ہیں ہر قیمت اپنی زخم خوردہ آنا کے دقار کا مداوا کرنا تھا چنانچہ

ہم نے "راتخزنے .... الخ قولوا قولا .... الخ"
کے تیر بہدف نسخوں پر عمل کرتے ہوئے نہایت ہی مؤدب اور مؤثر انداز
میں عرض کیا یور ایکسی لینسی آئی باگ ٹو ڈفر (جناب کے اسی خیال کی تردید کی
جائے تو قرین مصلحت تو نہیں لیکن ہمیں حضور کی رائے سے اتفاق نہیں)
وائسرائے کی بیوی کی "آنا" شب فرقت سے بھی دو ہاتھ لمبی ہوگئی۔ ہمارا خیال ہے
ٹپ انجی ہوگی۔ کیونکہ موصوفہ نے باصرار و بالتکرار وہی ڈھاک کے تین پات
شیشم کی فضیلت ہمارے ذہن نشین کرنے کی ٹیبل آف برٹن کی سی تندہی
کے ساتھ کوشش فرمائی تھی۔

مستی و ہوشیاری کے امتیاز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہم نے
بادب بملاحظہ رندانہ اسلحہ سے لیس ہو عرض کیا۔

حضور! وہ نخل جس میں "پھول آئے نہ کبھی پھل" خوبصورت کہلانے
کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے۔

نوٹ: اس سلسلہ میں ہمارے بیان کے انگریزی زبان کے الفاظ
لوٹ کر لوہا کاٹتا ہے کے وزن کے تھے۔

باوجود ہماری اس مضبوط معقول دلیل کے وائسرائے بیگم لاٹ صاحب
کی رفیقۂ حیات نے شیشم کے درخت سے اپنی والہانہ محبت کا دعویٰ
برقرار ہی رکھا۔ اس نزاکت کا خیال کر کے کہ اُن کے میاں ملک کے مالک
ہیں اعلیٰ حضرت کا ادنیٰ غلام فرش نشین اور عرش نشین آقاؤں کا دنگل
وائسرائے کے کھانے کی میز پر بیٹھے ہم کچھ عجیب قسم کی روحانی انگڑائیوں کا
شکار ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی بدولت اِنَّ اللّٰہ
مَعَنا پر ہمارا ایمان، سورج نہ ڈوبنے والا سلطنت والوں پر اعتبار کرنے کی
نسبت قوی تر تھا۔ ہمارے اللہ نے اس نازک صورت حال میں ہمیں توجہ
دلائی کہ غور تو کر دیکھو کہ اس قسم کے امتحان سے عہدہ برآ ہونے کے
لئے ہمارے رسولؐ نے نہیں کیا عمل کر کے دکھایا ہے۔

یہ اشارہ پاتے ہی ہم نے اللہ کے رسولؐ کے اس فرمان کے مطابق
کہ عورت ذات کی حتی الوسعی رعایت کی جائے۔ لیڈی صاحب کی خدمت
میں عرض کیا۔

"یور ایکسی لینسی آئی ڈو ایگری دیٹ دی ٹمبر از ویری یوسفل
لیکن اس امر سے اتفاق ہے شیشم کی لکڑی بڑی کارآمد ہوتی ہے۔" یہ
اعلان کرنا تھا کہ ہماری انا کی بھی لاج قائم رہی۔ لیڈی صاحبہ بھی خوش ہوگئیں
اور ہمارا یہ اندازہ کرنا غلط نہ ہوگا کہ ہم بڑی امتحان کے پرچہ "ب" میں بھی
فرسٹ ڈویژن ہی آئے ہوں گے۔

چھوٹی بی سبحان اللہ:

سلسلۂ گفتگو کا آغاز کیسے کیا جائے
ایک اچھا خاصہ فن ہے۔ چنانچہ
دہلی والیریگل ہاؤس میں دوپہر کے کھانے کی میز پر ہمیں اس بات کا
احساس تھا کہ یہ امر انگریزی آداب کی جان ہے کہ کھاتے بھی جاؤ اور
کچھ نہ کچھ سنتے اور سناتے رہو۔ ہنسی آئے نہ آئے ہنستے رہو۔ ہو سکے
تو ہنساتے رہو۔

انگریزی آداب کی خانہ پری کی خاطر کافی ادھیڑ بن اور بے شمار
بے سود فکر و اندیشہ نگلنے کے بعد لرزتے کانپتے ہوئے چھوٹی بی سے
ہم یہ کہہ کر یوں ہمکلام ہوئے۔ کہ ہم نے ہولیٹن دیکھا ہے (ہولیٹن
سکاٹ لینڈ میں لاٹ صاحب کا دیہاتی محل تھا) ہمارے اس کہنے پر
لاٹ زادی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ اچھا آپ نے ہمارا
گھر دیکھا ہے۔ اور فرمایا اللہ کا شکر ہے اس پر بم نہیں پڑے۔

اُن کے اس بیان پر میں کہہ بیٹھا اس پر بمباری کرنا ناممکن تھا
اس پر چھوٹی بی نے ہمارے اس دعویٰ کی دلیل کا خفیف سی تمکنت سے
ساتھ یہ کہتے ہوئے مطالبہ فرمایا کہ آپ یہ کیا گل فشانی فرما رہے ہیں؟

چھوٹی بی کے اماں ابا اور اعلیٰ حضرت ہمارا یہ مکالمہ سن رہے تھے۔

قارئین کرام یہ اندازہ ہی نہیں فرما سکتے کہ اندریں حالات کھانے
کی میز پر بیٹھے ہم پریشانی اور پشیمانی کی کیا کیا قلابازیاں کھا رہے ہونگے
اور اس طرح کے حادثہ ہو جانے پر یہ گمان کوئی بیجا گمان
بھی نہیں۔ لیکن باوجود اس کے کہ "تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے
پُرزے" ہماری اس قلندر کلامی پر کسی قسم کی بمباری کا تماشہ نہ ہو سکا۔
کیونکہ ہم نے چھوٹی بی کی طرف سے اعتراض عائد ہوتے ہی برجستہ طور
پر ٹاپ پر اپرٹی لائن کلیر میسج کے انداز سے بھی تیز اور محفوظ تر یہ
جواب باصواب عرض کر دیا تھا کہ انسان کا خیال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ
کا خیال دل سے نہیں بھلاتے۔ چھوٹی بی ہی نہیں۔ سارے ہی سامعین کرام
اگرچہ اس قسم کا کوئی اعلان نہیں ہوا۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ ہماری ایازی اور

ہو سے آثار قدیمہ شناسی کے معترف ہو گئے ہوں گے۔

دمشق میں الف لیلیٰ کی ایک رات :

بائیس سال کی بات ہے ملک شام کے فرانسیسی حکمران جنرل کاٹرو کے اعلیٰ حضرت امیر آف بہاول پور مہمان تھے۔ دمشق کے اس قیام میں میں نے یہ چار چیزیں دیکھنے والی نظر آئیں۔ ۱۔ میدان جاں نثاری کی مزار ۲۔ تہذیب ملک شام ۳۔ فرانس انگلستان دونوں کے انداز حکومت کا فرق ۴۔ سن ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے فرانس کے دو ٹکڑے ہو چکے تھے ایک ٹکڑا جس کی سربراہ آزاد فرانسیسی حکومت جنرل ڈیگال کی قیادت میں لندن سے کام کر رہی تھی۔ اس کا تابع شام کا گورنر جنرل جنرل کاٹرو تھا۔ کاٹرو اس سے پہلے ہند چینی پر فرانس کے قبضہ کے وقت ہند چینی کا فرنچ گورنر جنرل تھا۔ شام میں ہی نہیں سارے وسط مشرق میں بارحرد اتحادیوں کا خصوصاً فرانس اور انگلستان والوں کا متحد ہو کر محوری طاقتوں کا مقابلہ کرنا نہایت ضروری تھا۔ لیکن یہ کھانے اور واقعی خوش رنگ تو تھے۔ لیکن بوئے وفا کے سلسلہ میں کچھ ایسے ہی دوست واقع ہوئے تھے۔ جیسے آج سے بارہ سو سال پہلے اسلام کے یورپ میں فتح مند لشکر عرب اور بربر بظاہر دوست بباطن ایک دوسرے کے خلاف تھے۔

ولایت شام خوشگوار آب و ہوا، پھلدار، منبتکاری اور شعر و ادب کی وجہ سے زمانہ قدیم سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ زمانہ قدیم سے آج تک ملک شام مغرب کی طرف سے فرنگیوں اور مشرق کی طرف سے تاتاریوں کی یلغاروں کی آماجگاہ رہا ہے۔ لہٰذا مشرق و مغرب کی دونوں تہذیبوں کے ملے جلے اثرات شام میں کچھ یوں دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے شفق شام کی رعنائیاں شام کے وقت فرنچ گورنر جنرل کی کھانے کی میز کی آرائش۔ اس کے محل سرائے کے باغ کی رونق شامی فرانسیسی کھانوں کے مزے عود اور عنبر کی خوبصورت فانوسوں میں جلتی شمعیں ان کا بوباس سب سیر لہراتا دھواں گلفام و گل اندام نوکر چاکر فردوس بروئے زمین کا دھوکہ ہو رہا تھا۔ اس ڈرامے کا دوسرا پارٹ میرا ۱۹۵۶ء میں کا منزار ٹورس کی زیارت کی غرض سے پوٹیے حاضر ہونا تھا۔ پوٹئے فرانس کے وسط میں واقع وہ مستحکم مقام ہے کہ جب بھی فرانس پر کوئی آفت آن پڑے فرانس کی گورنمنٹ اسی علاقہ میں منتقل ہو جاتی رہی ہے۔ چنانچہ کا منزار ٹورس پوٹئے میں بوجہ اس سے حاضر ہوئے تھے کہ تین لاکھ ساٹھ ہزار مسلمان جو اس میدان جنگ میں سارے یورپ کے خلاف جہاد کرتے اکتوبر ۷۳۲ء کے ایک ہفتہ کے اندر اندر شہید ہوئے تھے۔ ان شہیدوں کی روح پر اس شہادت گاہ پر ہم ہو کر فاتحہ کہہ سکیں۔ فرانس والوں نے ہمیں اس رزمگاہ میں بےخودی کے عالم میں پھرتا دیکھ کر یہ اندازہ لگایا ہو گا کہ ہم امیر عبدالرحمٰن کی سپاہ کے کوئی دوبارہ اس عالم میں بیدار ہونے والے شہید ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اُن کے نامہ نگاروں نے تصویر لینے والوں نے ہمارا حال حلیہ "ہمارے گورو" معمولی سادہ سمجھ کر ہم سے بڑے مزیدار سوالات کئے۔ جنہیں انہوں نے بعد میں فرانس کے اس صوبے کے اخبار میں شائع کیا تھا۔ فرانس کے نامہ نگاروں کا ہم پر ایک یہ سوال تھا۔

"بحر سویز اور ناصر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔؟"

اس کا جواب ہم نے جو دیا تھا وہ یہ ہے۔

"میں عرب نہیں ہوں۔ میں مسلمان ہوں۔ اور مسلمان حریت اور مساوات جن کے لئے آپ کی قوم نے بھی انقلاب فرانس کے سلسلہ میں خون کی ہولی کھیلی تھی۔ کے لئے جان قربان کرنا جانتے ہیں۔ میں اس شہادت گاہ کے روزہ قیام کے دوران رزمگاہ پوٹیے کی طرف سے رزمگاہ پورٹ سعید (بحر سویز) کی طرف سامانِ حرب کی بھری گاڑیاں یکے بعد دیگرے اکتوبر کے پہلے ہفتے ۱۹۵۶ء میں دیکھ دیکھ کر تعجب کر رہا تھا کہ یا وہ وقت تھا کہ عظیم الشان سلطنت اموی نے دار الخلافت دمشق سے اجمالاً سے فرانس کی مہ جبین ترین شہزادی بیسیچ بطور مال غنیمت ولید بن عبد الملک کی دلہن بنی تھی) سامان حرب اور مسلمان مجاہدین قدرت کے پروگرام کے مطابق فرانس کے اسی علاقہ میں اس کثرت سے پہنچ رہے تھے کہ انگریز مورخ گبن لکھتا ہے۔ اگر مسلمانوں کی فتح مندی کا یہ سیلاب پوٹیے اور ٹورس میں نہ رک جاتا۔ اس وقت ہی سے سارا یورپ مسلمان ہو چکا ہوتا۔ اور آکسفورڈ کے سکولوں میں بجائے انجیل قرآن پڑھایا جایا کرتا۔ فرانسیسی اور برطانوی طرز حکومت میں دراصل تو کوئی فرق نہیں۔ برطانوی حکمران ماتحت ملکوں کے افراد سے سلوک کرنے میں بر بنی قسم کی برتری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن فرانسیسی انگریزوں کے مقابلہ میں ماتحت

کوریے باشندگان کے ساتھ رشتہ ناطہ تک کا اشتراک کر لیتے ہیں لیکن
ہمارا تجربات اس سلسلہ میں کپلنگ والی ہی ہے ۔

"NEVER THE TWIN SHALL MEET"

بڑا دربار۔ عمر بھر کی ان آرزوؤں کا ثمر کہ سب سے بڑے دربار
میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ۱۹۲۱ء
میں اور ۱۹۲۵ء میں حاصل ہو سکا ہے۔ بچپن ہی سے کچھ اس درجہ
انتہائے راز ہونیکا صلہ ہے کہ دو مرتبہ ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۵ء میں روضۂ
اقدس ۱۹۲۰ء موصل میں شیث علیہ السلام دانیال علیہ السلام، یونس علیہ السلام
وہیں علیہ السلام ۱۹۴۲ء میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحٰق
اور حضرت یوسف علیہ السلام کے روضۂ ہائے مطہرات پر حاضر ہونے
کی سعادت نصیب ہو سکی ہے۔ میرے جیسے کوتاہ دامن خالی تہی کیسہ حبیب انسان
کا ان عظیم درگاہوں میں حاضر ہو سکنا۔ ایک بہت بڑا معجزہ ہے کربلا معلیٰ
نجف اشرف حاضر ہو کر دربار میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب
ہوئی۔ اور ایک سپاہی کی حیثیت سے کارزار کربلا کا اندازہ کر سکنے کا موقعہ
ملا۔ اور شام تک اس راہ سے جس راہ سے قافلہ اہلبیت گذرا تھا سفر
کیا ہے۔ بابل۔ نینوا۔ اشور کے کھنڈرات عبرت آثار موقعہ پر جا کر دیکھے
ہیں۔ تائیریس سے عکہ تک اس کارزار کو جس میں مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین
نے اسد طران کے میدان میں صلیبیوں کو شکست فاش دی تھی۔ ایک سرے
سے دوسرے سرے تک دیکھا ہے۔ اور بیت المقدس میں
مسجد اقصیٰ اور جامعہ فاروق میں نمازیں ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوتی۔
اپنی آپ بیتی کے ان اتفاقات حسنہ سے یہی ایک صحیح نتیجہ
نکلتا ہے کہ دلی آرزو ہی وہ اصل پاسپورٹ ہے جس کی بدولت

بیک جنبش مژدہ بہ نجعت پرم
ہلاکم کنی بہ ہند یا تاتار

دیار حبیب میں زائرین کا اندازِ عقیدت پُر از محبت ہوتا ہے
دوسرے مذاہب کے عقیدت مندوں کا انداز عقیدت جو کلیسا۔ مندر
گوردوارہ۔ دریا کے اشنان کے سلسلہ میں دیکھا جاتا ہے۔ ہمیں اس میں
کہیں اس میں کہیں تو خوف کہیں طلسم و تحیر کہیں محض وہم تفنن نظر آتے ہیں
ہمیں بارہا فوج کی نوکری میں اس امر کا مشاہدہ ہوا ہے کہ وہ کام

جو ہمیں فوجی افسر ہونے کی حیثیت سے کرنا چاہئیں تھے۔ ان کاموں کو
ہماری نسبت ہمارے ماتحت سپاہی تک اچھی طرح انجام دے دیا کرتے
تھے۔ گولی کس طرف سے آ رہی ہے۔ ہمیں پتہ لگے نہ لگے ریمبس گن کی خبر نہ
صرف گولی آنے والی سمت بلکہ گولی چلانے والے دشمن کی نیت کا بھی کھرا کھرا
اندازہ کر کے مدافعت کی مناسب تدابیر کر لیتی تھی۔

لڑائی میں خصوصاً رات کے گھپ اندھیرے میں پیشقدمی یا پسپائی
کرتے وقت ہمیں یہ کبھی معلوم ہی نہ ہو سکا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ کدھر
جا رہے ہیں۔ اور کیوں جا رہے ہیں۔ اس کا سبب یہ نہیں کہ ہم بالکل ہی
گھامڑ واقع ہوئے ہیں۔ ہمارے اس گھامڑ پنے کا اصل سبب ہمیں مارشل
اسٹالن کے ایک نشریہ کے سننے اور ایک فلمی کہانی "دیم لیسٹر" کے دیکھنے
کے بعد اچھی طرح سمجھ میں آ سکا ہے۔ کوریا کی لڑائی کے سلسلہ میں میکارتھر
جیسے قابل جرنیلوں کی قیادت کے باوجود آئے دن کی امریکن پسپائیوں کی وجہ
سے امریکہ میں پبلک کی طرف سے جب یہ مطالبہ کیا کہ امریکن جرنیل دشمن
کے جرنیلوں جیسے لائق نہیں۔ زور شور سے کیا جا رہا تھا اس وقت اسٹالین
نے امریکن پبلک کو مخاطب کر کے یہ پیغام نشر کیا تھا۔ "امریکن جرنیل اتنے
ہی اچھے ہیں جتنے روسی جرنیل اچھے ہیں۔ لیکن امریکن سپاہی جس مقصد کے
لئے انہیں جنگ میں جھونکا جا رہا ہے۔ اس مقصد کو اس لڑائی لڑنے
کے حق میں معقول وجہ نہیں سمجھتے۔"

یہ فلمی پرانی لڑائی میں ہمارے گھامڑ ہونے کی وجہ کہ ہم صرف جانتے
ہی نہ تھے بلکہ ہم جاننا چاہتے ہی نہ تھے کہ ہم کہاں، کدھر اور کیوں جا رہے تھے۔

ہماری عمر کا یہ پینسٹھواں سال ہے۔ ہماری جوانی اور ہم سے اچھے
اچھے اہل وطن کی جوانی اگرچہ غلامیوں کی رزم آرائیوں ہی میں گذری ہے لیکن
بقول حفیظ جالندھری ۔ ع ۔ ابھی تو میں جوان ہوں

ہماری فلک شگاف آرزو کہ ہم ملت کے وقار اور بقا کی خاطر جان
قربان کر کے شہادت حاصل کر سکیں انشاءاللہ تعالیٰ پوری ہو کر رہے گی۔

ٹوٹے کہاں کمند — شیپرڈ قاہرہ کے بڑے ہوٹل میں رومیل کی
فوج کے خلاف لڑنے والی اتحادی فوج کے
بہترین دماغ اقامت پذیر تھے۔ قاہرہ نبرد آزما افواج کے جاسوسوں کا اڈا
بنا ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت معہ اسٹاف ہوٹل شیپرڈ میں مقیم تھے۔ دوسری عالمگیر

جنگ کی ہار جیت کا فیصلہ "العالمین" کی لڑائی پر منحصر تھا۔ ۱۹۴۲ء کی بہار کی ایک فرخیز صبح سے بھی دو گھنٹے پہلے قاہرہ والے اور ہوٹل شیپرڈ میں مقیم السرخواب سے بے نیاز دُنیا و مافیہا سے غافل سو رہے تھے۔ ہوا میں تیز بتراڑتے ہوئے بادل کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی آڑ لے کر جرمن ہوائی فوج کے ہوائی جہازوں نے قاہرہ پر اس زور سے بمباری کی کہ خوفناک دھماکوں سے اس شہر اور ہوٹل میں محوِ خواب تو کیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فراعنہ مصر اپنے مخروطی مناروں میں صدیوں کی نیند سونے کے باوجود چونک پڑے ہوں گے۔

دراصل یہ بم ہوٹل شیپرڈ پر گرائے گئے تھے۔ تاکہ تمل وفارت کے ماہر برطانوی دماغ اس محاذِ جنگ پر نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری' ایک قلم صفحہ ہستی مٹا ڈالے جائیں۔ اور اگر صرف ایک (سیکنڈ) لمحہ پہلے یہ بم چھوڑے جاتے تو دنیا کا نقشہ آج کچھ اور ہوتا۔ جب بموں کے قیامت خیز دھماکے شروع تھے۔ ہوائی جہاز مار تو ہیں منوں لوہا آسمان کی طرف پھینک رہی تھیں ہم بمطابق اس ضرب المثل کے کہ نیند سُولی پر بھی آجاتی ہے شیپرڈ ہوٹل کی ریشمی رضائیوں میں کروٹیں بدلتے ہُوئے یہ کہہ کر پھر سو جاتے کہ دشمن کے بموں کی آنکھیں تھوڑی ہی ہیں کہ شیپرڈ ہوٹل کے ایک ہزار ایک سو کمروں میں سے ہمارا ہی کمرہ ڈھونڈیں گے۔ اس بمباری سے نقصان ہوا لیکن ؏

.........وہ میرا آشیاں کیوں ہو

والی بات تھی۔ سارے بم غریبوں کے محلہ پر گرے اور بہاولپوری زبان کی ضرب المثل کے مطابق "لڑن سانہہ پٹیجن بُوٹے" یعنی لڑیں تو سانڈ اور کچلے جائیں بیچارے بے گناہ بُوٹے۔ نتیجہ تھا۔

دوسرا واقعہ ہمارے رزمی ذوق شوق کا یہ ہے کہ ہم نے ملایا کے محاذ پر اپنے ساتھیوں کا ساتھ دینے کی بہتیری کوشش کی۔ سپاہی تک بن کر جانا چاہا لیکن اعلیٰ حضرت نے منظور نہ فرمایا۔ کیوں؟ یہ اپنی تعریف کی بات ہے اس لئے ہمیں خود اپنی تعریف نہیں کرنی چاہیئے۔ رہا کوئی اور۔ کوئی اور کیوں کرنے۔ آہ! ہم کس قدر اسی چیز کے بھوکے ہیں جو صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ؏

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا

(بشکریہ الزبیر)

غزل

عشق دے پئے گئے سوُل اُتے
پُھٹیاں سیجھاں، یُتیم تخلے

ما، پیو، بھینڑ، بھرا وِسرایا
سنگت ساتھ، ہتھیُم نہ رتے

سڑدا بھُجدا ویندم سینہ
اینویں جیونویں چِخا بلتے

لگیاں لاٹاں، کم نہ ہتھیو رن
نال وِچھوڑا پکھے جُھلے

ناز نہوڑے والی جنڈڑی
درداں سُولاں وِچ پئی گلے

بھا وِچ دِل دِل آپے پووے
کون کہیں کُوں، کیتیں جھلے

ہیر تے رانجھا، سسی پنوں
گذریے کیندے ڈِینہہ سوتے

سٹ گھٹ اُو کھی اُہ دِلشادا
عشق دے درد کلّے

دِلشاد کلانچوی

بہاولپور کا پہلا یادگار اردو سرائیکی مشاعرہ

سید تابش الوری

ایک مدت تک تاریکیوں کے سائے میں دھندلائے رہنے کے بعد بہاولپور پریس کلب کے در و دیوار ایک بار پھر جگمگا رہے تھے، یہ جگمگاہٹ صوری بھی تھی اور معنوی بھی !

لوگ کشاں کشاں کلب پہنچ رہے تھے جہاں رنگین قمقموں کی گھٹتی بڑھتی روشنیاں کشش انگیز تھیں۔ لیکن اصل وجہ کشش فکر و نظر کا وہ چراغاں تھا جس کا اہتمام اردو، سرائیکی مشاعرے کی صورت میں پریس کلب کی جانب سے کیا گیا تھا۔

کلب کے خوبصورت سبزہ زار پر بچھی ہوئی کرسیوں کا دامن وقت سے پہلے ہی پُر ہو چکا تھا لیکن لوگوں کو لذت کشِ انتظار نہیں ہونا پڑا مشاعرے کا آغاز ٹھیک دس بجے ہو گیا ——— کرسیٔ صدارت پر جناب سیّد حسین حیدر سابق کمشنر بہاولپور متمکن ہو گئے اور سیکرٹری شپ کا قرعۂ فال راقم الحروف کے نام نکلا !

حضرات ! ایک سال کے تعطل کے بعد بہاولپور پریس کلب اُردو سرائیکی مشاعرے کے ایک نئے تجربے سے اپنی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہے۔ یہ تعطل کیسے ہوا؟ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مجملاً یوں سمجھ لیجئے :

جڑیں پہاڑوں کی ٹوٹ جاتیں، زمیں تو کیا عرش کانپ اٹھتا
اگر میں دل پر نہ روک لیتا تمام زورِ شباب تیرا !

مائک سامنے ہو تو آدمی مقرر بن ہی جاتا ہے۔ پاکستان کی آزادی سے لے کر پریس کلب کی آزادی تک بات سے بات نکلتی ہی چلی گئی اور پھر اسی چال ڈھال میں مشاعرہ "چالو" ہو گیا۔ ارشد کمال کی نظم نقشِ اوّل بنی اور جمیل اختر جاوید کی غزل نقشِ ثانی !

اس طرح ان کا خیال آیا ہے جیسے پردیس میں گھر یاد آتے

اب سرائیکی شاعر فیض محمد دلچسپ مائک کے سامنے تھے۔ بے تکلف دیہاتی کی بے تکلف شاعری نے محفل کو ہنسایا بھی اور گرمایا بھی !

جذبات میڈے رو دھن پھٹراں نتے اٹھ رہے
سمجھیں تاں نظر اوہے فلک پار نظر ہے

سامعین دلچسپ صاحب کی شعری دلچسپیوں میں محو تھے کہ مرزا نعیم اختر کی مترنم آواز نے انہیں چونکا دیا۔

عدم آباد کی بستی بھی عجیب بستی ہے
لوگ اس شہر میں مر مر کے بھی آباد رہے

مرزا نعیم نوجوان تھے مگر باتیں بزرگی کی کرتے رہے۔ مرزا حیدر بیگ آئے تو بزرگی میں نوجوانی کی جھلکیاں دکھانے لگے۔

موجوں کے تھپیڑوں میں سکوں ڈھونڈنے والو
موجوں کے تھپیڑے ہیں یہ ساحل تو نہیں ہے

محمود نقوی ایک نئے چہرے کے طور پر پہلی مرتبہ اسٹیج پر اُبھرے۔ ان کی غزل میں ان کی عمر کا سا اختصار تھا۔

اب تابش الوری آپ سے مخاطب ہے۔ اسٹیج سیکرٹری کی آواز ابھری اور پھر ایک نظم میں ڈھل گئی، عنوان تھا "جشنِ آزادی"

آج کے دن ملی تھی آزادی ! شہدا آج یاد آئیں گے !
ان کے نقشِ قدم منور ہیں ہم انہیں رہنما بنائیں گے
اپنے ماضی کی عظمتیں لے کر حال کی انجمن سجائیں گے
توڑ لائیں گے مہر و ماہ و نجوم ہم زمین کو فلک بنائیں گے
ظلمتِ شام ختم کر دیں گے صبح کی روشنی بڑھائیں گے
شعلۂ درد ہو کہ برقِ ستم ہم بہر طور مسکرائیں گے
آنچ آنے نہ دیں گے ملک پہ ہم اپنی جانوں پہ کھیل جائیں گے

خون سے سینچیں گے ارضِ پاک وطن
اشک جنت بنے گی خاکِ وطن

نظم کے بعد عباس نظیر کو غزل سنانے کی دعوت دی گئی۔ ان کے یہ شعر پسند کئے گئے۔

اب کے اس شان سے گلشن کو سنوارا جائے
غنچہ د گل کا ہر اک نقش ابھارا جائے
تو نے دیوانہ مجھے کہہ کے پکارا تو سہی !
تجھ کو کس نام سے اے دوست پکارا جائے

اب سرائیکی کے ایک اور شاعر حسین بخش نادم شعر سنا رہے تھے۔ انکی میٹھی زبان ان کے اور سامعین کے درمیان حائل رہی تاہم محفل میں سماعت کا تنوع پیدا ہوگیا۔ ان کے جاتے ہی نفیس فتح پوری نے پھر اردو غزل کی قدیم روایت تازہ کردی۔ ترنم کا روایتی انداز متزاد تھا :

وقف حد تشنگی رہا ہوں میں
سخت جاں ہوں کہ جی رہا ہوں میں

محی الدین شان خود "ہاں میں ہاں" ملانے کے قائل ہوں یا نہ ہوں لیکن اوروں کو بڑی دردمندی کے ساتھ اس کا قائل کرنے کی کوشش فرماتے رہے ٹیپ کا مصرعہ تھا " ہاں میں ہاں سب کی ملاؤ دوستو "۔ سماعت کا "ذائقہ" بدلنے کے لیے اب سرائیکی کے شاعر بخت علی مسرور لوگوں سے ہمکلام تھے۔ تیز گفتار و برق رفتار ! اب جھونکا ہوا کا تھا، اِدھر آیا اُدھر گیا اور پھر جیسے فضا یکایک ساکن ہوگئی۔ دیکھا تو آغا سکندر مہدی غزل سرا تھے :

دریا کے ابلنے سے پہلے موجوں کے مچلنے سے پہلے
طوفان حوادث سے ڈوبا کشتی کے سنبھلنے سے پہلے
طوفان نے خودداری رکھ لی غیروں کے بچائے کیا بچتے
اچھا ہی ہوا ہم غرق ہوئے کشتی کے سنبھلنے سے پہلے

آغا صاحب سراسر روایت تھے مگر ان کے بعد ماجد قریشی سراسر بغاوت ثابت ہوئے۔ ان کا لہجہ حقائق کی طرح ٹھوس تھا۔

ہر بوالہوس کو مسند ارشاد کر عطا
لیکن اب اہل دل کو چمن سے نکال دے

انعام المسعدی کا نام پکارا گیا تو فضا کی یکسانیت برقرار تھی مگر جونہی انہوں نے غزل چھیڑی فضا میں سوز و ساز کی عجیب کیفیت پیدا ہوگئی :

جب بھی اے دوست تیرے شہر سے ہم نکلیں گے
سنگ اٹھائے ہوئے کچھ اہل کرم نکلیں گے
اپنے دیوانوں کو اک بار تو آواز تو دے
ہم سردار ترے سر کی قسم نکلیں گے

لوگ انعام کے ترنم کے سحر میں ڈوبے ہوتے تھے۔ حیات میرٹھی کی گھن گرج نے انہیں آخر اس طلسم سے نکالا، وہ کہہ رہے تھے :

آسمان کی رفعتیں کرتی ہیں جھک جھک کر سلام
اپنے احساس سے اے چاک داماں تو اٹھو

اور پھر یہ لے اور تیز ہوگئی ادیب واثقی کی تو لئے آتشیں اب کچھ نئے جادو جگا رہی تھی :

یوم آزادی کی تقریب منانے والو
جشن آزادی کا ہنگامہ مبارک ہو تمہیں
نوحہ خوان شب رفتہ ہے نگاہ احساس
پھر بھی اس صبح کا ہنگامہ مبارک ہو تمہیں
جام دینا میں بہاروں کا لہو ہے لیکن
دوستو! بادۂ گلفام مبارک ہو تمہیں

مشاعرہ اب اپنے نقطۂ عروج کی طرف رواں تھا اور رنگ و آہنگ کی نئی نئی کیفیتیں جنم لے رہی تھیں۔ منصور عاقل نے ان کیفیتوں کو رقصاں کر دیا!

دیکھنا وقت کی رفتار نہ تھمنے پائے
ایک مستقبل تاباں نے پکارا ہے تمہیں
بڑھ کے ہر اہرمن وقت سے ٹکرا جاؤ
غیرت خون شہیداں نے پکارا ہے تمہیں
سرفروشانہ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بڑھو
اک چراغ تہ داماں نے پکارا ہے تمہیں

داد و تحسین کا شور تھا تو شعری زبان پھر تبدیل ہو چکی تھی اور صالح محمد صالح سرائیکی میں نظم سنا رہے تھے۔ شیرینی و دلنشینی سے بھرپور ان کے اشعار نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محی الدین شان اپنے کلاسیکی ترنم میں سرائیکی کافی "بخیر و خوبی" کہہ گئے۔ علی احمد رفعت آئے، تو ان کے گرجدار لہجے سے مائک کی آواز اور گھمبیر ہوگئی۔ انہوں نے اپنے "تجربات" میں سے ایک غزل عطا فرمائی۔

؎ جراحت نے دلِ صد چاک کو فرصت نہ دی

نزی مژگاں سے ہم بھی سی ہی لیتے چاک داماں کے

فضا کی خاموشی میں مائیک پر جانباز جتوئی کا نام گونجا تو پورا پنڈال تالیوں سے گونجنے لگا۔ جانباز ان شعراء میں سے ہیں جو مشاعرے لوٹنے کا فن جانتے ہیں زبان کی سلاست، جذبات و احساسات کی شدت اور ڈرامائی خطابت ان کے امتیازی جوہر ہیں جو اسٹیج پر کچھ اس طرح کھلتے ہیں کہ مجمع مسحور ہو جاتا ہے جو ہماری نثر کا بہروپ ایک دلچسپ انفرادیت بھی بخش دیتا ہے انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی نظمیں سنائیں جن سے سماں بندھ گیا۔ مکالمہ "عقل و عشق" اور "اے وادیٔ کشمیر" بہت پسند کی گئیں۔ دو قطعات دیکھئے:

اے پیرِ مغاں کجھ ڈاتاں ڈے ۔۔۔۔ توڑیں سولاں دی سوغاتاں ڈے

سکھ ڈے نہ ڈے جانباز کوں ہیں ۔۔۔۔ بھل درد بھرے جذباتاں ڈے

میکوں عیش نہ ڈے صدمتاں بخش ۔۔۔۔ میڈے نیناں کوں برساتاں بخش

ساری عمر گذار یو غیراں دے ۔۔۔۔ جانباز کوں ہک رات تاں بخش

جانباز داد کے ڈونگرے سمیٹے لوٹے تو مسعود حسن شہاب مائیک کے سامنے تھے۔ دہلی کی ٹکسالی زبان میں سیاست حاضرہ کے بیان نے لطف شعر دو آتشہ کر دیا۔ کہتے ہیں:-

دھندلے سے مہ و مہر کے خاکوں پہ نظر ہے

آثار یہ کہتے ہیں کہ شب ہے نہ سحر ہے

بہاولپور کے بزرگ شاعر عبدالمجید ارشد بڑھاپے میں بھی بعض بڑے جوان شعر نکال لیتے ہیں تو لوگوں کو خوشگوار حیرت ہوتی ہے:-

پھول بھی اب کے کچھ ایسا ابھرا ۔۔۔۔ شاخ پر دستِ دعا ہو جیسے

یوں گذرتی ہے ہماری ارشد ۔۔۔۔ زندگی ایک سزا ہو جیسے

اختر انصاری اکبرآبادی مہمان شاعر غزل کی تو لوگ ہمہ تن گوش ہوتے شعروں کی گیرائی گہرائی پر آہ بھی ہوتی اور واہ بھی۔ دو شعر ملاحظہ کیجئے:

دیکھتے دیکھتے دنیا بدلی گلشن کیا ویرانہ کیا!

پربت پربت نقش تھے جتنے مٹتے مٹتے خاک ہوئے

خاک نشیمن جب اڑتی ہے دل میں دھواں سا اٹھتا ہے

حادثے اس گلزار میں ورنہ اور بہت غمناک ہوئے

استاد عبدالکریم شاد سرائیکی زبان کے آخری شاعر تھے۔ ان کی ٹھیٹھ زبان نے اہلِ زبان کو بڑا مزہ دیا جو چٹخارے لے لے کر ان کے شعر سنتے رہے۔ مشاعرے کے آخری شاعر مولانا قابل گلاؤٹھوی تھے۔ ان کی طویل نظم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے لے کر حالیہ جنگ ہند و پاک تک محیط تھی۔ ان کی یہ منظوم تاریخ ایک نیا تجربہ تھی جسے لوگ بڑے صبر و سکون سے سنتے رہے۔

مشاعرے کے تمت بالخیر سے پہلے پریس کلب کے صدر بریگیڈیئر نذیر علی شاہ صاحب نے صدر اور سامعین کا شکریہ ادا کیا اور اس بہانے اردو کی سرپرستی کے ساتھ سرائیکی کی سرکاری سرپرستی کا بھی مطالبہ کر دیا۔ صدرِ مشاعرہ سید حسین حیدر نے اردو اور سرائیکی کے مشترک مشاعرے کو ایک نہایت کامیاب تجربہ قرار دیا اور اشتراک کو پیدائشی ٹھہرایا۔ ان کی نظر میں اردو نے لشکر میں جنم لیا اور سرائیکی نے سراؤں میں! اس اعتبار سے اردو سرائیکی مشاعرے کو سول اور ملٹری کا مشاعرہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

تالیوں کی زبردست گونج میں ان کی تقریر ختم ہوئی تو لوگوں کو پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ مشاعرے کا شباب ہی نہیں ڈھلا تھا، رات بھی کافی ڈھل گئی تھی۔

بقیہ: سرائیکی زبان میں نظموں اور گیتوں کے مقابلے

صدیق طاہر، نقوی احمد پوری، منشی حسین بخش نادم، سید حسین علی حسرت، ڈاکٹر محمد خاں بابر، جام بخت علی مسرور اور شاغل خان گرشی۔ ضلع رحیم یار خاں سے صالح محمد صالح، محمد نواز خوشتر، سید گل محمد شاہ گل، رشید عثمانی اور غلام فرید مترازی، ضلع بہاولنگر سے عالم علی عالم اور محی الدین شان ضلع ملتان سے نسیم ملک ملتانی، عاشق حسین حسینی اور نصراللہ ناصر، ضلع ڈیرہ غازی خان سے مسرور کربلائی، اقبال سوکڑی، حافظ رسول بخش لنگاہ اور رمضان طالب اور ضلع مظفر گڑھ سے جانباز جتوئی اور مجود بخاری۔

مرکزی مقابلہ کمیٹی کے مرتب کردہ نتائج کا اعلان کمشنر صاحب بہاولپور کی منظوری کے بعد عنقریب کر دیا جائے گا اور توقع ہے کہ تقسیم انعامات کی تقریب بہاولپور میں "جشن رودہی" کے موقع پر منعقد ہو گی، عین ممکن ہے کہ انعامات کی تقسیم صدر مملکت یا گورنر صاحب مغربی پاکستان کے مبارک ہاتھوں انجام پائے، اس موقع پر جن کی تشریف آوری کی امید کی جا رہی ہے۔

سرائیکی زبان میں نظموں اور گیتوں کے مقابلے

صدیق طاہر

تقلب مغربی پاکستان میں بہاولپور و ملتان ڈویژنوں اور دوسرے علاقوں کے کم و بیش ایک کروڑ پاکستانی عوام سرائیکی بولتے ہیں۔ آبادی کا بیشتر حصہ دیہات میں ہونے کی وجہ سے اس زبان کا اثر دیہات میں بہت زیادہ ہے۔ اس طرح اس وسیع خطے میں سماجی اور اقتصادی ترقی کے منصوبوں اور قومی مہمات کو مؤثر بنانے کے سلسلے میں اس وسیع ذریعۂ اظہار کا استعمال ضروری تھا۔

چنانچہ حکومت مغربی پاکستان نے حال ہی میں اس زبان میں پانچ اہم قومی موضوعات پر عام فہم نظموں اور گیتوں کا انعامی مقابلہ کا اہتمام کرایا تھا کہ سرائیکی زبان بولنے والوں کو قوم کے اجتماعی مسائل اور انکے حل سے آگاہ کیا جا سکے۔ اس طرح ان لوگوں کو ان فرائض کا احساس دلایا جا سکے گا جو بحیثیت ایک پاکستانی کے ان سب پر عائد ہوتے ہیں۔ یہ پانچ موضوعات یہ ہیں

۱۔ روزمرہ زندگی میں اسلامی شعار اپنانا۔

۲۔ زیادہ غلہ اگاؤ۔

۳۔ قومی سالمیت۔

۴۔ مضبوط مرکز کی اہمیت اور

۵۔ خاندانی منصوبہ بندی

اس سلسلے میں کمشنر صاحب بہاولپور ڈویژن نے دسمبر ۶۶ء میں ان مقابلوں کا اہتمام کرنے کے لیے مندرجہ ذیل پانچ اراکین کی مقابلہ کمیٹی مقرر کر دی۔

(۱) جناب حبیب الرحمٰن ملک اسسٹنٹ ڈائرکٹر محکمہ اطلاعات بہاولپور (۲) جناب بریگیڈیر سید نذیر علی شاہ صاحب ریٹائرڈ ملٹری سیکرٹری امیر آف بہاولپور صدر سرائیکی ادبی مجلس، صدر پریس کلب بہاولپور و مدیر سہ ماہی سرائیکی بہاولپور (جج) ۳۔ جناب پروفیسر اے ایم دلشاد کلانچوی پرنسپل بہاول کالج بہاولنگر (جج) ۴۔ جناب محمد بشیر احمد ظامی صاحب فاضل السنہ شرقیہ و مصنف کتب متعددہ بہاولپور (جج) ۵۔ جناب سردار نجم الدین خان سینئر ایڈووکیٹ بہاولپور (جج)

مقابلوں کا اعلان خبروں اور اشتہاروں کی صورت میں علاقہ کے تقریباً تمام اخبارات میں کیا گیا۔ اعلان کے مطابق ہر موضوع پر اوّل، دوم اور سوم آنیوالی منظومات پر ایک ہزار، پانچ سو، اور تین سو روپے کے انعامات رکھے گئے ہیں۔ سو سو روپے کے حوصلہ افزائی کے دس انعامات الگ مقرر ہوئے۔ اس طرح زیادہ غلہ اگاؤ، اسلامی شعار اپنانا، قومی سالمیت، مضبوط مرکز اور خاندانی منصوبہ بندی کے پانچ موضوعات پر لکھی جانے والی بہترین نظموں کے دس ہزار روپے کے نقد انعامات رکھے گئے ہیں۔

مقابلہ کمیٹی کے فیصلوں کے مطابق ایک موضوع پر ایک شاعر صرف ایک نظم یا گیت شامل مقابلہ کر سکتے تھے لیکن ایک سے زیادہ موضوعات پر نظمیں پیش کرنے پر البتہ کوئی پابندی نہیں تھی، چنانچہ بعض شعراء نے پانچوں موضوعات پر پانچ نظمیں شریک مقابلہ کرائیں۔ مقابلہ صرف بہاولپور ڈویژن تک محدود نہیں رکھا گیا تھا بلکہ سرائیکی زبان کے ہر شاعر کو، چاہے وہ پاکستان کے کسی علاقہ سے تعلق رکھتا ہو مقابلہ میں شریک ہونے کی اجازت تھی۔ جج صاحبان خود شریک مقابلہ نہیں ہو سکتے تھے۔

پہلے مرحلے پر بہاولپور ڈویژن کے اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں کی نگرانی میں ضلعی انتخابی کمیٹیاں بنائی گئیں۔ ڈویژن کے باہر سے آنے والے شعراء کے لیے ابتدائی انتخابی کمیٹی کا کنوینر کمشنر ضلع بہاولپور مقرر کر دیا گیا۔

چنانچہ ان ضلعی انتخابی کمیٹیوں نے فائنل مقابلہ کے لیے جو منتخب منظومات مرکزی کمیٹی کو بھجوائیں۔ ان میں مندرجہ ذیل شعراء کی ساتھ منظومات شامل تھیں۔

ضلع بہاولپور سے حافظ دلشاد، سیفر لشاری، خلیق ملتانی، عاصم اچوی،

(باقی صفحہ ۵۲ پر)

کشمیر

تحسین سبائے والوی

جند اپنی گھول گھنیاں میں — کشمیر نہ اجڑن ڈیساں میں
ہاں شاعر ٹیداں غم دے وچ — ہنت رہنداں درد الم دے وچ
ہن ہڈیاں باقی چم دے وچ — ہن بھر بھر خون قلم دے وچ
سب سُتے شینہہ جگو لیساں میں — کشمیر نہ اجڑن ڈیساں میں
جُل ڈیکھ تاں سہی کشمیر دے وچ — حق منگن دی تقصیر دے وچ
کئی ہیرن لوتے تیر دے وچ — ہن جکڑے کئی زنجیر دے وچ
زنجیراں تروڑ سٹیساں میں — کشمیر نہ اجڑن ڈیساں میں
کئی نینگر تے کئی بال کُٹھے — ہک گھر دے کئی کئی لال کُٹھے
دھنروال کُٹھے جتوال کُٹھے — کشمیر دے کئی میوال کُٹھے
ظالم کوں چیر گھتیساں میں — کشمیر نہ اجڑن ڈیساں میں
سر دھوڑ تے نیر وہیندی اے — ودی ویر کوں جھنڑ گولیندی اے
مارو رو عرش ہلیندی اے — تقدیر کوں پئی بدلیندی اے
ونج وہندے نیر ٹھپیساں میں — کشمیر نہ اجڑن ڈیساں میں
میں پاگل ہاں سودائی ہاں — ودا سر دے وال کھنڈائی ہاں!
کشمیر دا ہک شیدائی ہاں — ودا سر ہتھیں سٹے چھائی ہاں!
ہر شئے قربان کریساں میں — کشمیر نہ اجڑن ڈیساں میں
ظالم دا کئی اعتبار نہیں — ہوندا پکا قول اقرار نہیں
ہے گالھ ہکا تکرار نہیں — کشمیر دا او حق دار نہیں
حق اپناں گھن ڈکھلیساں میں — کشمیر نہ اجڑن ڈیساں میں
میں باطل نال جنگل دے وچ — ہن لڑساں تھل جبل دے وچ
کشمیر کوں گھنساں پل دے وچ — تحسین ہر ہک کربل دے وچ
اسلام دی شان ودھیساں میں — کشمیر نہ اجڑن ڈیساں میں

دلدار دلارا آونج

آ عشق سہارا آونج

مست سوڑے سکڑے آونج   سب جھیڑے جھگڑے آونج
چھڈ کیچ دے دلڑے آونج   ست عنبر دا پاڑا آونج

نہیں دشمن ٹلدے آونج   نہیں پندھ نبرڑے آونج
آئی جان لباں تے آونج   آ یار حندارا آونج

نیکوں کبھ کبھ گولاں آونج   پئی پو پھٹی پھولاں آونج
کنھاں ولڑی رولاں آونج   آیا رسوا نڑا آونج

تتی رلدی وچ سراباں   سوہنی رُل گئی وچ سیلاباں
بولھی مار کرے فریاداں   چھڈ یار کنارا آونج

ہُن رُس گئی عقل سیانی !   ہن کھس گئی صحت نمانی
ہُن پس گئی مولھ پرانی   بن یار سہارا آونج

نیں نوں منھڑی خبدڑی گھولاں   آ جلدی دیر لگاناں
منقی حال کنوں بے حالاں   چھڈ یار وسارا آونج

تھیا بخت ادلا ودلے   پیارا دل دل بولے
کیا جندڑی جھوکھوں بولے   ہے عشق نغارا آونج

کیوں آجھاتی ہادی پاتی   ہے نہ نبرڑ داہا لوئیں ساتی
گئی درد ہجر دی کاتی   آ ڈیکھ تماشا آونج

اکھ نیر دھلیندی مُک گئی   دِل تپدیں کھپدیں ٹمک گئی
جاں دھکدی دھکدی دُھک گئی   ہس ساہ دا ہچکا آونج

سر بار غماں دا باری   پئی اے کھٹڑی درداں ماری
کر ذرد ہجر دی کاری   بل یار پیارا آونج

تیڈا عاشق نت کرلاندا   ہے بر دا درد غماں دا
ہس تیکہ تیڈڑے ناں دا   پیار ڈڈا سنڈ دا آونج

کیا عشق ہے سِدھڑا اُپھڑا   ہے درد ہجر دا کھڑا
تیڈڑے کُنڑے دادی کُتڑا   پیا دَر دَر رُل دا آونج

کیتا ظلم نیں رنج خوارے   ڈے جگ وچ دھواں اندھارے
پیاں انسان کو کاں مارے   آیا ڈیہنہ حشر دا آونج

میڈا دلبر جانی آونج   آیا پاک محمدؐ ڈھولا
نھیا واحد بھج بھج کولا   لج پال شفیعا آونج

(واحد بخش خاں بی اے - ۱۱۷ بی ، ماڈل ٹاؤن بہاولپور)

میڈی سجی اکھ تے روضہ !

اے ہے رحمت سوہنے رب دی
ہے بے شک جاہ ادب دی
ایہہ عشق تماشا ڈیکھو!
ایہہ پینڈہ نبڑ دا ڈیکھو !
ہن چڑھ گیا بکھر واے
ہن بھل گیا مہینوا ے
پیا کالی رات بھگیندا ں !
پیا ہجر کے ڈیہنہ گنڑیدان
دل ہجر دے صدمے جھیلے
کر یار ملن دے حیلے
کیتا عشق نے چور و چور رے
بیٹھی راہاں تک دی جُھورے
ایں عشق نے پٹیاں پاڑاں !
تھئی ہیر ز ہیر ہٹھاراں !
میڈا رانجھن جوگی بھولا !
گیا ہیر دا رُل دا ڈولا !
ایہہ داحد جنا بی خولے
کیویں دلبر جانی گولے

میڈی کھبی اکھ تے کعبہ !

ہے دھرتی پاک عرب دی!
ہن نور نبی صحابہ !
میکوں دُر کدا بھجدا ڈیکھو
تھئی دلڑی خون خرابہ
گیا کھنڈ پُنڈ سارا ماے
پیاں ڈھکدیاں کنڈیاں گابہ
پیا تارے چندر تکیندا ں
لُٹ ماریس بے حسابہ
منہ دردوں نیلے پیلے
چھڈ غوغہ شور شرابہ
تتی تپدی وِچ تنورے
آہل شتاب نوشابہ
تتی رُل گئی وِچ پہاڑاں
سوہنی رُڑھ گئی وِچ سیلابہ
پیا عشق دا پھوبے پھولا
پیا عشق دے وِچ عزقابہ
ایہہ سکھڑاں دول دا پولے
سٹ مسجد شہر دوآبہ

بشیر احمد ظامی

دِل دا سودا

جَیں گوْل نہ گوْلی میںڈْی — اُوں دِل دا سوْدا کیہاں
جو سیّں دے سنگ نہ کھیڈی — اُوں دل دا سَودا کیہاں

جَیّں گھر کوں ساڑ پچھاْلیا — جَیّں وسدا جُھگا گاْلیا
جَیّں اپنڑیں نال نہ جالیا — او کینویں تھیسے تیڈْی-اُوں دِل دا سودا کیہاں

جَیّں رب دا عرش سڈایا — پیا کُل جہاں تے سایا
جَیّں ایجھا شان گنوایا — او کیڈْوں تیڈْی میڈْی-اُوں دِل دا سَودا

ایں اپنی ذات نہ جاْنڑْیں — او نخْ تے مُفت وکاْنڑیں
تھئی ایڈ دل اُوڈوں کا نیٹیں — منہ گاْ دا پوُچھڑ بھیڈْی-اُوں دل دا سَودا

جَیّں اپنا آپ نہ جاْیا — او دا خالی رہیا کھاتا
اونکوں ڈات نہیں ڈیندا ڈاْتا — او کوشت کرّے جیڈْی- اُوں دل دا سَودا

اے دل ہے عرش گرامی — ایہو جگ دا بھیت ہے ظامی
بے سمجھی ایندی خامی — اے وَسّے دُور د ریندڑی- اُوں دل دا سَودا

معذوری

ڈس ہن ماہی کول تیڈڑے میں کیہڑے رستے آواں
چار چوفیرے رات اندھاری نظر نہ آندیاں راہواں
ہر ہک پیر تے جاگن سوسو سُتیاں ہویاں بلاواں

ظُلمی جھوک دے لوکاں ہک ہک پاسے پھرالایا

بالاں کیویں آس دا ڈیوا چلدیاں تیز ہواواں

ساہ دی سُکھ دا ملدا ناہیں، ہَئے بے درد وچھوڑا

چیکاں، باکاں، بھہ بھہ بھجاں کونج وانگوں کُرلاواں

بجلی لشکے مارے جوناں، بدلاں دی دھڑکایا

شاں شاں پتراں ہاں بھڑکایا، اپڑے پیر ہواواں

ربّا! ساری عمراں وٹوں سجڑاں کول پچاڈے

اُٹھی اُٹھی پھراں جاگاں، منگا رو رو دُعاواں

ڈس ہن ماہی کول تیڈڑے میں کیہڑے رستے آواں

فدا ائے اطہر ایف اے

نور ظہور دا ویلا

قاسم سروش

پُھٹّا جو نورانی تیر
ڈِٹسّ رات دا سینہ چیر
رُکیا ساہ اندھارے دا
نور ظہور دا ویلا تھیب
ککّڑ بانگاں ڈیندے پن
رب کوں یاد کریندے پن
ساری خلقت جاگ پئی
نندر کنوں ہشیار تھئی
سر تے تاج سُنہری پا
سجھ نے جھاتی پائی آ
ہر پاسے چمکارے ہن
نورانی لشکارے ہن
جنگل جنگل بکھدا پے
ہیرے وانگ چمکدا پے
مست ہوا جو چلدی ہے
ٹنگلی ٹنگلی ھلدی ہے
ٹھڈڑی وانے ہر پاسے
مُنگر خشبوں دے دیندے
خشبوں ڈاڈی اَمدی ہے
دل کوں ڈاڈھی بھمدی ہے

لتی پن عجب بہاراں پھُل!
اُٹھی یارا باغ دو جُل!

خواجہ غلام فرید
ترجمہ: سید تابش الوری

چلا ذرا رتھ ہولے ہولے

کانچ کا نازک چوڑا مورا
ٹھیس لگے اور ٹوٹ نہ جائے
سہہ نہ سکوں رتھ کے ہچکولے
نازک جان تڑپ سی جائے
لیے پھروں میں میں پریت کی ڈوری
اپنے گلے کا ہار پہنائے
دل اسے کاش سلامت پہنچے
راہ میں رہزن سے بچ جائے
رتھ میں بیٹھی گر تھک جاؤں
سندر سا گھوڑا مل جائے
تیز، سبک، ریشم سی باگیں
پانی پہ جیسے تیرتا جائے
میں نری تو ساجن میرا
قدرت نے کیا جوڑ ملائے
تو ہے من کی چاہت من میں
روز نئے طوفان اٹھائے
رستہ مشکل ہے بے قابو دل!
منزل اب اڑ کر آ جائے
میں اور یار فرید رہیں گے
اپنا شہر بھنبھور بسائے

بھنبھور: سسّی کے وطن کے نام

رتھ دھیمی دھیمی ٹور

میڈا وسنہ نرم کمردردا — متاں ونگیں بھگم ٹکور
رتھ تے نہبدی درک نہ ہندی — ھم طبع کم زور
روز اول دی پاتم گل وچ — برسوں تیڈڑے دی ڈور
نشالا مولہ سلامت نیواں — رہ وچ لڑ ون چور
جیکر رتھ بیٹھیں تھک پواں — گھوڑاں گھنساں بور
سو کھا تیز لغام دا کولا — ناں اوکھا سر زور
رانجھن تے میں جوڑ کوں جوڑوں — جوڑ جوڑیندا جوڑ
سک تے طلب من دے سینے — روز نواں ھم شور
نیدھ اڑانگے دلڑی تانگے — جلدی پہچا ویں توڑ
میں تے یار فرید نیٹوں — ول ول شہر بھنبھور

تحسین سبائے والوی

عشق دی چاٹ

پندی اسے دل دل ہاں اچ تراٹ
رووداں ، رڑاں کراں بکاٹ

رات کوں تیکوں یاد کرینداں
روندیں روندیں ڈینہہ گزرینداں

آپ کوں آپ ہیں ڈوکھے ڈینداں
سڑ سڑ تیکوں جی وندلنداں

آہن ڈینہہ اسے لاٹ پلاٹ
رووداں رڑاں کراں بکاٹ

مار مکایا ہجر دے تیراں
سر کوں تروڑاں ہاں کوں چیراں

ہتھ اچ کاسہ گل اچ لیراں
دردر دل دا دانگ فقیراں

ونجاں ہن ہیں کیڑھی واٹ
رووداں رڑاں کراں بکاٹ

میں ہاں مست ملنگ موالی
تیڈے در دا خاص سوالی

تیڈی خاطر عمراں گالی
ہن تحسین نہ ونجاں خالی

گل نال کنوچا مجنوں ناٹ
رووداں رڑاں کراں بکاٹ

لکھم اینجھی عشق دی چاٹ!
رووداں رڑاں کراں بکاٹ

ٹھگی کر گیا وکھری ٹھگی!
اکھ جو لگی اکھ نہ لگی!

جاگ نہ سگی سم نہ سگی!
پوری کیتس جے تا ہیں تگی!

دل تاں گئی اکھ سب کجھ ڈاٹ
رووداں رڑاں کراں بکاٹ

گنڑ گنڑ تارے رات گزاراں
کوکاں باکاں ہکلاں ماراں!

سر کوں ماراں نال دیواراں!
پل پل کیراں نیر ہزاراں

بہاولپور کے باتاج و بے تاج بادشاہ

امیرانِ بہاولپور:-

نام	از	تا
امیر محمد مبارک خاں اول عباسی	۱۷۰۲ سے	۱۷۲۳
امیر صادق محمد خاں اول عباسی	۱۷۲۳ "	۱۷۴۶
امیر محمد بہاول خاں اول عباسی	۱۷۴۶ "	۱۷۴۹
امیر محمد مبارک خاں ثانی عباسی	۱۷۴۹ "	۱۷۷۲
امیر محمد بہاول خاں ثانی عباسی	۱۷۷۲ "	۱۸۰۹
امیر صادق محمد خاں ثانی عباسی	۱۸۰۹ "	۱۸۲۵
امیر محمد بہاول خاں ثالث عباسی	۱۸۲۵ "	۱۸۵۲
امیر صادق محمد خاں ثالث عباسی	۱۸۵۲ "	۱۸۵۳
امیر فتح خاں عباسی	۱۸۵۳ "	۱۸۵۸
امیر محمد بہاول خاں رابع عباسی	۱۸۵۸ "	۱۸۶۶
امیر صادق محمد خاں رابع عباسی	۱۸۶۶ "	۱۸۹۹
امیر محمد بہاول خاں خامس عباسی	۱۸۹۹ "	۱۹۰۷
امیر صادق محمد خان خامس عباسی	۱۹۰۷ "	تاقیام ریاست

امیر محمد عباس الاول عباسی ، موجودہ امیر بہاول پور

کمشنرانِ بہاولپور:-

نام	از	تا
سید ہاشم رضا	۱۹۵۶ سے	۱۹۵۷ء
مسٹر اے جی آغا	۱۹۵۷ء "	۱۹۵۸ء
مسٹر ایم ایچ زبیری	۱۹۵۸ء "	۱۹۶۰ء
خان ہدایت اللہ خاں	اپریل ۱۹۶۰ء "	جولائی ۱۹۶۰ء
شہزادہ عالمگیر	۱۹۶۰ء "	۱۹۶۱ء
شیخ منظور الہی	۱۹۶۱ء "	۱۹۶۲ء
مسٹر بشیر احمد قریشی	۱۹۶۲ء "	۱۹۶۳ء
سید دربار علی شاہ	۱۹۶۳ء "	۱۹۶۴ء
غلام یزدانی ملک	۱۹۶۴ء "	۱۹۶۶ء
سید حسین حیدر	جولائی ۱۹۶۶ء	تا آغاز ۱۹۶۷ء

ان ادوار کی مفصل تاریخ تو کتاب زیر ترتیب صادق نامہ (جدید) میں پیش کی جائے گی۔ البتہ ان ادوار کے متعلق سردست یہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ:

ایں ہم جہانے ان ہم جہانے
ایں بے کرانے آں بے کرانے

علاج تنگیٔ داماں

(یہ مضمون بہاولپور ملتان ڈویژن کے مشترکہ سیمینار ۱۹۶۲ء میں پڑھا گیا)

کتاب "آباد کار" مطبوعہ ۱۹۳۹ء میں اور ۱۹۶۳ء میں لکھے گئے۔ اس مضمون میں روہی کے بارے میں اطلاعات مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا:

مصرع: وہ ہمارا خواب تھا یہ خواب کی تعبیر ہے

بہاولپور ڈویژنوں کے کمشنر صاحبان کو بالخصوص اور انتظامیہ متعلقہ کے افسرانِ اعلیٰ کو بالعموم اس ہیچمدان کی تصنیف ناچیز سوغات کا:

مصرع: گاہے گاہے باز خواں این دفتر پارینہ را

مطالعہ فرما لینا ملک و ملت کی خدمت کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کا ایک مضمون "پاکستان کا اسٹالن گراڈ" ستمبر ۱۹۶۵ء کے خوش نما خوشگوار تحریر سے دس سال پہلے لکھا گیا۔ یہ نسخہ ایک گونہ اجلی خانی ہی نسخہ تھا۔ نذیر علی

صدر محترم! سامعین کرم!

بہاولپور ڈویژن میں ترقیاتی منصوبے اور ان منصوبوں سے فائدہ اٹھانے کے امکانات میرے موضوع کا مقصد ہے۔

ان امکانات کو بروئے کار لانے کے لیے مؤثر اور مقدم ترین حربہ خود ان علاقہ ہی کے رہنے والوں کا ذوقِ جستجو ہے۔

نشانِ منزلِ جاناں ملے ملے نہ ملے
مزے کی چیز ہے یہ ذوقِ جستجو میرا

تنگ دامانیاں: پیشتر اس کے کہ ہم اس ڈویژن کی فلاح و بہبود کے امکانات کی رام لیلا کی تفصیلات پر غور کریں، بہتر ہوگا اس ضمن میں ہم چند مشہور عالم تنگ دامانیوں، حیرت انگیز شفایابیوں کے واقعات پر نظر ثانی کریں، مثلاً:-

ایک ایسا ملک جہاں اس شدت کا جاڑا پڑتا ہے کہ سورج تک کی مجال نہیں، دن کے وقت اس ملک کے جاڑے کا سامنا کر سکے۔ بلا کی سردی پڑنے کے باوجود تعجب کی بات ہے اس ملک میں انسانوں کی بڑی گنجان آبادی ہے اور اس ملک کے معمولی حیثیت کے آدمی کا معیارِ زندگی ہمارے ہاں کے چھوٹے موٹے امیروں کے برابر ہے۔

ایک زمانہ تھا، اس ملک کے باشندے بے حد مفلس تھے، لکڑی کے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ سر پر دو سینگوں والے خود پہن کر طوفانی سمندروں پر ڈاکہ زنی کر کے گذارہ کیا کرتے تھے یا:

سویڈن کی مثال: اب اپنے ملک کی قدرتی پیداوار مناسب قسم کی لکڑی کے جنگلوں، گندھک، فاسفورس کے ان ڈھیروں کو پہلے ان کے ملک میں ان کی بے سمجھی اور غفلت کی وجہ سے یونہی پڑے سڑا کرتے تھے، بروئے کار لا کر (MAD IN SWEEDEN) ماچس کی ڈبیوں، کاغذ کی صنعت کے طفیل وہ دولت کمائی کہ ان کے ملک میں اب بھوک، بیماری کا نام تک نہیں رہا۔

کچھ ایسا ہی حال ایک اور چھوٹے سے ملک کا تھا۔ اس ملک کے باشندے مدتوں تک سوٹ بوٹ، آج کے یہ کانٹے چھری کا استعمال تو کیا نیم برہنہ کھنڈروں، غاروں میں دبک، لیٹ، بیٹھ، کھا پی، سو جاگ، مر جی لیا کرتے تھے۔ یا ہم انہیں کبھی انہیں اس عروج پر دیکھتے رہتے ہیں کہ ان کی وسیع سلطنت بحر و بر پر اقبال کا سورج نہیں، خود اللہ تعالیٰ کا سورج بھی رات دن خدمت گزاری میں حاضر رہ کر چمکتا رہا ہے۔ ان کی اس پہلے زمانے کی ذلیل زندگی کا باعث ان کی اپنے ملک کے قدرتی وسائل سے غفلت اور بے اعتنائی تھا۔

انگلستان: جونہی انہوں نے اپنے ملک کے قدرتی وسائل نشاسط کے درختوں کو اکھاڑ، کاٹ، چیر، پھاڑ، پہلے چھوٹے

چھوٹے بعد میں بڑے بڑے بحری جہاز بنانے شروع کیے اور ان پر سوار ہو ہو کر جو خالی سمندروں کو طے کر کے صرف سات روپیہ فی من کے حساب سے اپنے دیس سے دور دراز واقع خوش حال ملکوں کی دولت (کپاس) لاد، دھن لالا کر لنکا شائر کے کپڑے کے کارخانے میں اتنی بہتات سے اور اتنا اچھا اور سستا کپڑا بنانا شروع کیا کہ کھدر، مینو، خاصہ، تنزیب، سوسی، گھارا ڈھاکہ کی ململ کا ایک دفعہ تو صفحہ ہستی سے نشان تک مٹا ڈالا، ان کی اس بیداری کا مگاری اور ہماری غفلت شعاری کا ایک وقت بھی آیا کہ ہمارے ملک کے گاؤں دیہات کے رہنے والے اور رہنے والیاں ولائتی لونگی لوئیں آنکھ کے نشہ کے سوا کوئی خانہ زاد ملکی کپڑا پہننا شہروں میں ناک کٹا ئی ہو جانے کا موجب سمجھنے لگے۔

خاکِ پاک کی نمی :- ایک وہ زمانہ تھا جب سوائے سندھ، بہاولپور، ملتان کی سرزمین کے کپڑے کے سلسلہ میں کسی اور ملک میں گریبان کے ایک تار تک کا نام تک نہ تھا، اسی اپنے ڈویژن اور علاقہ میں جو موہنجوڈارو اور ہڑپہ تک پھیلا ہوا کبھی دنیا کا خوشحال ترین ملک سمجھا جاتا تھا، کی ہی معرفت دنیا کا ہر ملک اس چیز کے اور فائدے سے جسے آج ہم نے کپڑے کا نام دے رکھا ہے۔ پہلے پہل لفظ "سندھ" کے نام سے روشناس ہوا تھا۔ اس زمانے میں کپڑے کو دیس دیس کی زبان میں سندھ کہتے تھے۔

بہاولپور کا نیل :- مصنوعی نیلا رنگ جب تک دنیا کی منڈیوں میں نہ آیا تھا۔ بہاولپور ڈویژن کے نیل کی ..... یورپ کی منڈیوں میں سولہویں صدی تک یہ قدر و چاہت تھی جیسے آج ہمارے ملک میں فورڈ، جیپ، بیوک کاروں کی ہے۔

الغرض عزت و ذلت، غفلت و بیداری کے اس تناسخ کے چکر کو دیکھتے ہوئے باری تعالیٰ کے فرمان "تلک الایام نداولہا بین الناس" کی حکمت اور حقیقت پر کسی مسلمان کو تو کیا کافر تک کو شک کرنے کی مجال نہیں۔

موہنجوڈارو اور ہڑپہ کے تہذیبی دور کے بعد غفلت کی کئی صدیاں گزر چکنے پر اب پھر ایک دفعہ اس علاقہ کے رہنے والے نعمتِ بیداری سے باخبر ہو کر اس امر کا احساس اور یقین کر چکے ہیں۔

" وہ ان کا زمانہ تھا یہ اپنا زمانہ ہے

بیا پیدا خریدار است جان ناتوانے را ۔۔۔ پس از مدت گذار افتاد برما کاروانے را

خواجہ فریدؒ کا ارشاد :- صاحبان فکر و نظر بزرگ ان حالات کو جن پر ملک اور قوم کی ترقی کا انحصار ہوتا ہے۔ عوام الناس کی نسبت سالہا سال پہلے دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ اپنے [illegible] میں اس ضمن میں آج سے نصف صدی پہلے کا یہ مژدہ جانفزا سنا رہے

جھوکاں تھیسن آباد ول ۔۔۔ ہن تھی فریدا شاد ول

زمانہ ماضی بعید اور قریب اور حالاتِ حاضرہ پر یہ تبصرہ بطور تمہید اس موضوع کے متعلق اس لئے عرض کیا ہے تاکہ اس علاقے کے قدرتی وسائل کو بروئے کار لانے سے پہلے ہمارا ذوق یقین اور ہمارے عزائم تعمیر دنیا و دین کے سلسلے میں کسی وسوسہ بے ضرورت یا [illegible] سے متزلزل نہ ہونے پائیں اور ہمارے ترقیاتی منصوبے اگر ترقی [illegible] کی مصلحتوں کے پیش نظر مرتب کئے گئے تو ہمیں کسی غیر ملک سے AID لینے کی فکر میں گھلتے رہنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ چاند پہنچنے سے [illegible] والے تک پہنچنا اصل اور بہترین منصوبہ ہے۔

دورِ ہستی لے رہا ہے بے دریغ انگڑائیاں "

خدا معلوم چاند تک پہنچنے کی کوشش کرنے والوں کا جن کے ملک میں اس وقت رنگ کی جنگ کا طوفان برپا ہے اور جہاں [illegible] آدھر می کی آگ سے وزیر جنگ تک نہ بچ سکا ان کا خود اپنا حشر کیا [illegible] ترقیاتی منصوبوں کی کامیابی جس چیز یا ہستی پر مبنی ہے۔ [illegible] بلیاد اشرف المخلوقات خود انسان کی اپنی ہی ذات وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد ساری دنیا گھوم رہی ہے۔ اگر کسی علاقے کے باقی سارے قدرتی وسائل سونے چاندی کے پہاڑ ہی کیوں نہ ہوں لیکن کائنات کا مرکزی پرزہ اگر ٹھیک کام نہ کرے تو اس ملک کے رہنے والوں کے سورج نہیں چمکا کرتے اور ان کے سونے چاندی کے [illegible] علم و فن، قانون و ضوابط جوہری توانائی کے بم بیکار رہتے ہیں۔ [illegible] ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں بہاولپور ڈویژن کی خوش قسمتی ہے کہ اس [illegible] میں منصوبہ بندی والی بکنڈ اوز کی ترقیاتی سکیموں پر وقت کے تقاضوں کے [illegible]

کے مطابق توجہ دی جاتی رہی ہے، اور اب جامعہ اسلامیہ کے انعقاد
کی وجہ سے صرف بہاولپور تک ہی محدود نہیں مملکت خداداد پاکستان بھر
کے لئے عالمی امن کے سلسلہ میں خضر راہ بن سکے بعید از قیاس نہیں

ان ساری باتوں کے کہہ سن لینے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا
ہے کہ قدرت کے بے حساب عطیات میں سے ہمارے ڈویژن
کے حصہ میں بافراط کیا کیا آیا ہے۔! کہاں کہاں ہے! کتنا ہے!
اور ان نعمتوں سے ہم کس طرح وسیع پیمانہ پر فیضیاب ہو سکتے ہیں؟
بہاولپور ڈویژن میں عنایت فرمائی گئی نعمتوں سے ہم کس طرح وسیع
پیمانہ پر فیضیاب ہو سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب یورپ پر ہمارے
احسانات اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ تاریخ کے اوراق چھوٹی
بڑی صنعتوں کے سلسلہ میں میڈان، جاپان کے معجزات دو عالمگیر جنگوں
میں بے دریغ مار کھانے کے باوجود جرمن قوم کا مر مر کے نہ مرنا ہے۔

رہے یہ تین سوال:۔ بہاولپور کی قسمت میں
مٹی اور بہت مٹی، قدرت کے بے حساب عطیات میں سے کیا کیا
کہاں کہاں؟ اور کتنا آیا ہے۔؟

بہاولپور ڈویژن کا بچہ بھی ان سوالات کا جواب دے تو
اس کا جواب ہوگا۔ مٹی! ہر جگہ اور بہت۔

بچے کے اس جواب پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ بھلا لوہے
کوئلے، سونے چاندی پٹرول کی افراط والے ملکوں کے مقابلہ میں ہم
اپنے ڈویژن کی مٹی سے کیا تیر مار سکتے ہیں؟

ہمارے ڈویژن کی مٹی ہی دنیا بھر کی نظروں میں مقبول خاطر ہو کر
ہمارے ڈویژن کے لئے پارس، سیم زر کا ایسا ہی ذریعہ بن سکتی ہے
جس طرح سویڈن کی بنی دیا سلائیوں سے آج دنیا بھر میں سویڈن والوں
کی آتش ارزانی ذریعہ زرکشی ہو کر ملک کی خوشحالی کا باعث ہے۔

لیکن زرکشی کے یہ جال باتوں سے نہیں بنے جایا کرتے
زرکشی کے ان جالوں کے بننے کے لئے ہم سنو محنت خون پسینہ کے سمندر
اوچ کے میلے پر جانے کی سی دلچسپی کے ساتھ پھلانگنے پڑیں گے۔

در طریقتے کہ بنوک مژہ کا دیدم من
منزل و قافلہ دریگ رواں چیزے نیست

کوزہ گری اور کھجوریں:۔ آمدم برسر مطلب:۔ زرکشی کے لئے
کوزہ گری کا جال جب تک بہاولپور ڈویژن کے کالجوں سکولوں میں
لازمی مضمون کی حیثیت سے عملی طور پر نہیں بچھایا جاتا۔ اور عراق عرب
کی کھجوروں تجارت کے سلسلہ میں بصرہ کی عرب امریکن کمپنی کے ڈھب
پر جب تک دلفریب پیکنگ اور دلچسپ پبلسٹی کا نظام نہ ہوگا

سبوچے:۔ احمدپور، بہاولپور دتا میوالی خیرپور کی صراحیاں، سبوچے
حجرہ، اوچ، چاچڑاں کی تمر بہشت کھجوریں، شہر فرید کی سالاریاں، ڈراور
چولستان کی شتر بچیاں، خانپور کے کالسنی کے کوڑے "زدہ سے عاشقاں
شرمندہ باشی" ہی کی صف میں سوئے صور اسرافیل کا انتظار کرتے رہ
جائیں گے، اور کوئی پاپا شیشٹا جاپان سے آکر ایسٹ انڈیا کمپنی والا نسخہ
زیر عمل لا، ہماری اس قدیم جائداد صنعت اور پیداوار کو اپنے ملک کے
درحق بغرض زرکشی سازگار کرلے گا اور ہم ع۔ کیمیا بہ بخشائے برحال ما" ہی
کہتے رہ جائیں گے۔

بات ہو رہی تھی ملک کی مٹی کی۔
"گھر کی مرغی دال برابر" ہماری بات نہ مانیں نہ سہی۔ ذرا مسٹر کاردیتھ دیں
کا فیصلہ ہماری اس مٹی کے حق میں ان کی تصنیف Road to shalimar
صفحہ ۱۸۳ پر ملاحظہ فرمالیجئے۔ بہاولپوری صنعت کے سلسلہ میں مصنف موصوف
لکھتا ہے:

"For tsuriato its chef attxation is ito tine enrbne dehy woosc and the. Delicaery of ito Pollecy."

ع۔ نگہ مشتاق نے کیا جانئے کیا دیکھا ہے" کہ اسے خاک وطن
چرچا ترا جا بجا ہو رہا ہے۔ جاپان، انگلستان، فرانس میں خاک پاک بہاولپور
جیسی مٹی نہیں، نہ ہی ان ملکوں میں ہمارے ملک کا خشک بے بلغم موسم
موسم اور مٹی کے نامعقول ہونے کی وجہ سے ان ممالک میں بہاولپور کے
سے بنے شاہکار جام و سبو اور صراحی نہیں بن سکتے۔

سبو آفریدم صراحی آفریدم ز خاک وطن دلربائی آفریدم

سیاحت: زرکشی کے سلسلہ میں بہاولپور ڈویژن میں
سیاحت کا بیوپاری الحقیقت دارین در کمند اور بیوپار ہے۔ اس بیوپار

ہیں کامیابی کے لئے دام درہم کم اور درد و دانش زیادہ درکار ہے۔ اس کاروبار کی کامیابی کے لئے قوم کے سینوں کے اندر سنت جگی اخلاق پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک میرا مشاہدہ ہے اس کاروبار میں یوگوسلاویہ اور یہود کی ریاست اسرائیل کا طریق کار انگلستان۔ فرانس اٹلی، مصر، یونان سے اچھا ہے۔ اس کاروبار کی پبلیسٹی کے ورق فرانس انگلستان کے مقابلہ میں اطالوی پوسٹر زیادہ جاذب بامعنی اور شگفتہ تخلیق کئے گئے ہیں اس کاروبار کے سلسلہ میں گداگر بھیک منگتوں کا وجود ستم قاتل ہے۔ اگر اس مرض کا خاطرخواہ علاج کیا جائے تو اس کاروبار میں پاکستان کا مقابلہ کرتی اور ملک شاذ ہی کر سکے۔ اس کی وجہ پاکستانیوں خصوصاً پاکستان کے دیہات میں رہنے والوں کا فطرتی طور پر مہمان نواز ہوتا ہے۔

مہمان نوازی کی روایات: مسٹر مین ایک یوروپین سیاح ۱۸۲۲ میں اپنے سفرنامے میں تحریر کرتا ہے کہ بہاول پور کے علاقہ میں سیاحت کے دوران جہاں کہیں اسے کسی گاؤں میں قیام کرنے کا اتفاق ہوا ہے اسے کہیں بھی اپنی جیب سے خوراک و رہائش کے سلسلہ میں رقم خرچ کرنا نہیں پڑی۔

یہ تو خیر ایک سو تیس سال پہلے کا واقعہ ہے اور اس زمانہ میں، بہاول پور ہی کی طرح مشرق کے شہر و دیہات میں مہمان نوازی کا ایسا ہی رواج تھا۔ ۱۹۵۲ء میں لندن سے لیا جتور کی سیاحت وسفر بذریعہ خشکی راہ کے دوران میرا اپنا تجربہ ہے کہ میرے اس عالمی کلچرل مشن کے انگریز ساتھی اس امر کے مداح تھے۔ کہ یہ مشرق والے ہی کر سکتے ہیں کہ قدیم زمانہ کی مہمان نوازی کی روایات برقرار ہیں۔ ورنہ یورپ کے دیہات تک میں بل ادا کئے بغیر قیام و طعام تو کیا، کوئی خالی پانی کے گلاس تک دینے کا روادار نہیں ہوتا۔

ہوائی سفر کی مزید سہولتوں اور رعایتوں کی وجہ اپنے علاقہ میں غیر ملکی سیاح لاکھوں کی تعداد میں آنے لگیں۔ بعید از قیاس نہیں سیاحت کے کاروبار کے لئے پشاور ڈویژن اور راول پنڈی ڈویژن کے مقابلہ میں بہاول پور ڈویژن کہیں زیادہ موزوں ہے۔ اس خیال کی تائید میں یہاں میرا اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہوگا کہ کسی برفانی علاقہ کے رہنے والے کو کیا ضرورت، کہ وہ سردی سے بچنے کی خاطر سائبیریا جائے۔ یا اپنے ملک کے موسم بہار میں بلیک فارسٹ، دریائے راین، شایر، تھیمز کی پر فضا وادیوں سے بلا وجہ جدا ہو۔

طوفان نوح علیہ السلام کے وقت سے لے کر آج تک سائبریا میں رہنے وال مرغابیوں کا تو یہ طرز عمل رہا ہے کہ جہاں جاڑے کا موسم آیا، یہ مرغابیاں بلا پاسپورٹ، ویزا، پرمٹ بہاول پور ڈویژن کی جھیلوں کی رونق بازار دوبالا کرنے آ ہوتی ہے۔ ہوائی ذریعہ سفر کی بدولت اب چونکہ آدم زاد کو بھی پر لگ چکے ہیں۔ امریکہ یورپ کے کروڑ پتیوں کے لئے اپنے ملک کے جاڑے کے موسم سے بچنے کی سبیل بہاول پور کے چولستان میں "خیمہ زدہ بارگاہ، ساخت" آ ہونا روز بڑھتا ہی بڑھتا چلا جائے۔ بعید از قیاس نہیں۔

گیسٹ ایکسچینج سکیم: سیاحتی کاروبار کے سلسلہ میں ترقیاتی منصوبہ کے تحت بہاول پور ڈویژن میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے باشندگان کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے کے لئے باقاعدہ۔

گیسٹ ایکسچینج سکیم معرض وجود میں لانے کی ضرورت ہے۔۔۔،!

بہاول پور ڈویژن میں ایک فی صد خوش حال گھرانوں کا بنیادی جمہوریتوں کی معرفت ایک ایسا ریکارڈ رکھا جائے۔ جس کی مفصل اطلاع مشرقی پاکستان کی گورنمنٹ کے ذریعہ کر دی جاتی ہے۔ کہ کسی طرح مشرقی پاکستان میں رہنے والے پاکستانی بلا معاوضہ مغربی پاکستان میں بروقت باضابطہ اور مفصل طور پر مطلع کرنے پر مغربی پاکستان کے خوش حال منظور شدہ میزبانوں کے مہمان ہو سکتے ہیں۔

اس بین الملکی میل جول کے دور میں سیاحت کے کاروبار کے ذریعہ جس قدر علاقہ کی صنعت اور دستکاری کی فلاح و بہبود ہے۔ اس کا اندازہ پورٹ سعید کی اس ضمن میں ترکشی سے کیا جا سکتا ہے۔

معقول قسم کے اُجلے مشرقی قسم کے مہمان خانوں اور سیاست خانوں کا ڈویژن بھر میں سلسلہ قائم کر دینے سے یقیناً مقامی صنعت وسیع پیمانہ پر ترقی کر سکتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ لسانی طور پر یہ امر اردو بنگالی کے قدرتی اختلاط کا باعث ہوگا۔

سیاحت کے لیے بہاولپور کا میلوں، عرسوں والا سردی کا موسم (نومبر سے مارچ) نہایت ہی صحت مندانہ موسم ہے۔

چولستان کے ترقیاتی منصوبے

واٹر پائپ لائن: چولستان کے ترقیاتی منصوبوں پر ماہرین حضرات ہی وثوق کے ساتھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔

قدرت کے اس عظیم عطیہ کے متعلق صرف اس قدر توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جس طرح کرکوک سے حیفہ تک پائپ لائن کے ذریعے کرکوک کے تیل کے چشموں کا تیل لے جا کر یورپ کے بہت سے ملکوں کی خوشحالی کا ضامن بنایا جا سکا۔ بہاولپور ڈویژن کے تینوں ضلعوں چولستانی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں لیفٹ اریگیشن اور بجائے نہر کھود کر پانی لے جانے میں پائپ لائن کے ذریعہ پانی پہنچا کر کیا نہ شاداب چولستانی مرکز قائم کرنے کی مہم نہر سویز کے بنانے جتنی بڑی ہوگی؟

فیاضانہ اور حکیمانہ طور پر چولستان میں آب رسانی کا صلہ شجر کاری اور افزائش نسل مویشیاں ہی نہیں بلکہ موسم اور مون سون کے در حق بھی بے حد مفید ہوگا۔

چولستانی ترقیاتی منصوبے اگر رود بار انگلستان میں تہہ سمندر ٹنل تعمیر کرنے کے اندازہ مصارف پر تجویز نہ کیے گئے تو یہ موجودہ دو دو چار چار لاکھ رقومات جزوی طور پر خرچ کرتے رہنا اونٹ کے منہ میں زیرہ ثابت ہوں گی۔

"شعلہ شعلہ بہ بخشند شرر شرر نہ دہد"

جاٹ رے جاٹ: ملک کی سب سے بڑی دولت آنے والی نسلیں ملک کے نوجوان ہوتے ہیں۔ اس علاقہ کے ان ہونہار نوجوان کی تعلیم یافتہ کثیر تعداد کے لیے سبیل معاش کی گنجائش خاطر خواہ طور پر چولستان میں جدید قسم کے فارموں اور بستیوں کی عالمی سطح کی اس انداز پر طرح ڈالی جائے کہ غیر ملکی کمپنیاں (چین، آسٹریلیا کے ملکوں کی بڑی کمپنیاں) اس عظیم منصوبے میں سرمایہ لگا کر سو پچاس سال تک کے لیے شریک ہو جائیں۔

صرف انداز اور طریق کاشتکاری ہی نہیں وقار کاشتکاری بھی بدلنا ہوگا جس پیشہ سے اس ڈویژن کی اتنی بڑی آمدنی ہو۔ افسوس ہے اس شریف رزق اگا پیشہ کے فرد کو اب تک بھی اس طرح سے یہ کہہ کر وجہ مذاق سمجھا جاتا ہے کہ:

"جاٹ رے جاٹ تیرے سر پہ کھاٹ"

واہ! کیا طرز خطاب ہے!

ایسا نہ ہو کہ: تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اس عظیم پیشہ میں لائے بغیر یہ ڈویژن تو رہے گا لیکن ڈویژن کی ترقی یتیم رہے گی۔

اب وقت ہے کہ پانچ سالہ منصوبے میں آئندہ آنے والے وقت اور آنے والوں کے لیے خاطر خواہ طور پر خوشحال زندگی گزار سکنے کا انتظام کر جائیں ورنہ:

ایسا نہ ہو یہ درد بنے درد لا دوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

علاج تنگی داماں: بہاولپور، ملتان ڈویژنز کے مشترکہ سیمینار (علاقائی ترقیات) منعقدہ ۱۳ تا ۱۵ ستمبر ۱۹۶۲ء پر تقریباً بیس مضمون پڑھے گئے تھے۔ عاقبت اندیشانہ افادیت کی بنا پر قسم کے اس مضمون کو بے حد سراہا گیا تھا لیکن افسوس ہے کہ سیمینار مذکرہ کے متعلق ضخیم کتاب جو شائع ہوئی ہے اس میں اس مضمون کو شامل نہیں کیا گیا۔ بقول سید سلیمان ندوی "آدمی کو صرف تنا نا ہی ضروری نہیں بلکہ آدمی کو آدمی بنانا اشد ضروری ہے۔" فی زمانہ مشین ساز ہی نہیں، انسان ساز منصوبوں کو زیر عمل لانے کی ضرورت ہے۔ غالباً اس مضمون کے تحت درج اس ناچیز کے مشورات کو بغور مطالعہ نہیں فرمایا گیا، للذا فلاح کل کی خاطر ہم اس مضمون اور اس نوعیت کے مضامین بعنوان علاج تنگی داماں، سرائیکی کے ہر شمارے میں پیش کرتے رہیں گے۔

سید نذیر علی، ستمبر ۱۹۶۳ء بہاولپور

مکرر آنکہ: اس ڈویژن کا چوتھا ضلع (ضلع چولستان) اگر بنا ڈالا گیا تو یہ واقعہ بہاولپور ڈویژن ہی کی تاریخ کا نہیں تاریخ عالم کا کیوں زریں واقعہ سمجھا جائے گا۔ اس کی تفصیلات بڑی طویل اور دلچسپ ہیں کسی آئندہ اشاعت میں پیش کر دی جائیں گی۔ موجودہ اشاعت میں ہم سرائیکی ادبی مجلس کی طرف سے اور جملہ سرائیکی نواز احباب کی طرف سے جناب سید حسین حیدر موجودہ سربراہ ڈویژن کو منصوبہ علاج تنگی داماں کی تکمیل کے لیے مبارک اور دعا عرض کرتے ہیں۔ اس ضمن میں "کریٹنگ بیراج" اور "فریدیہ" دو نہایت ہی افادیت سے لبریز امور ہیں، کسی آئندہ اشاعت میں تفصیلات عرض کر دی جائیں گی۔

لیفٹننٹ کرنل نذیر علی!

تقریباً تیس سال آج سے پہلے جب راقم نے یہ کتاب لکھی تھی اسوقت کی روہی، اس وقت کے بہاولپور اور آج کی روہی اور بہاولپور میں کچھ اتنی ہی تبدیلی ہو چکی ہے جتنی کہ سرکار دو عالم کے زمانہ کے مکہ اور آج کے کوٹ پتلون پہنے ہوئے مسترمکہ میں ہوتی چلی جا رہی ہے۔

۱۹۴۰ء تک کے بہاولپور میں ماڈل ٹاؤن میں ایک مکان تو کیا ایک پکی اینٹ تک نہ تھی اور ۱۹۷۶ء کے بہاولپور کا یہ مطالبہ ہے کہ امیر ابوظہبی، جیکولین کینیڈی، مشاہیر عالم، منتخب و منتخاب روزگار ہمارے غریب خانہ میں اس روہی میں ہر سال تشریف کیوں نہیں لاتے۔

بہاولپور کی تصنیف بے نظیر "پریشان جلوے" جس میں جناب احمد ندیم قاسمی صاحب صنف صحافت کے ابو سینا جیسے صاحب قلم حضرات کے مضامین شامل تھے۔

پیش لفظ میں روہی کے متعلق شامل صحیفہ "پریشان جلوے" راقم کی وقائع نگاری پر جس فیاضی کے ساتھ قبلہ سر عبدالقادر مالقابہ نے روشنی ڈال کر حوصلہ افزائی فرمائی ہے اسے پڑھ کر محسوس سا ہونے لگتا ہے کہ "منم کردہ ام رستم داستان" نذیر علی ۱۴ مارچ ۱۹۷۶ء

تحریکِ تصنیف

میں نے کتاب "آبادکار" کیوں لکھی؟

آج سے پچاس ساٹھ برس بعد جب موجودہ مسئلہ آبادی ایک قصۂ ماضی ہو کر رہ جائے گا، بعض پوچھنے والے پوچھا کریں گے، نہروں کے جاری ہونے سے پہلے اُن کے ملک کی کیا شکل وصورت تھی؟

اُن پوچھنے والوں کے ملک کی شکل وصورت کا جواب تو محکمہ آبادی اور وزارتِ مال کے کاغذات ہر زمانہ کے لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں گے

لیکن دُکھ سکھ کی یہ کہانیاں اس خیال سے کتاب ہذا میں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مزید حوصلہ افزائی کا موجب ہو سکیں اور ہر زمانے کے بہاولپوری اپنے سے بعد آنے والے خوش حال نسلوں کے سامنے اپنے جفاکش اسلاف کی عرق ریزی و جستجو کا صلہ اور اپنی بھی عرق ریزی اور جستجو کا نتیجہ ایک بڑے سے بڑے بہاولپور کے تعمیری پروگرام کی صورت میں پیش کر سکیں ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
ہر دم جواں پیہم رواں ہے زندگی

اعتذار

کثرتِ کار، قلتِ وقت اور ناکافی تجربہ سر دست کتاب "آبادکار" کے صرف اُن مختصر مضامین ہی پر اکتفا کرتے ہوئے اور "یارِ زندہ و صحبت باقی" کی دل خوش کن توقع دل میں پالتے ہوئے موجودہ مختصر کتاب سپردِ قلم کی گئی ہے بقدرِ فرصت اپنے کمزور خیالات کا اظہار "فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست" کسی آنے والی کل کو کیا جائے گا۔ لیکن اس حقیر کوشش کی تکمیل کا بھی بہت سا حصہ احباب کی قدر دانی پر منحصر ہے۔

چونکہ الفاظ "آبادکار" نو آبادکار سے وسیع تر اور جامع ہیں اس لیے کتاب کا نام "آبادکار" رکھا گیا ہے، نہ کہ نو آبادکار۔ سر دست اس پہلی کوشش میں اصل کتاب کے بہت سے عنوانات زیرِ تجویز مثلاً: ۱۔ "کلام الملوک ملوک الکلام" ۲۔ "پہلی کہاں" ۳۔ "حدیثِ ماتمِ دلبری" ۴۔ "محشرِ خیال" ۵۔ "شاہکار" وغیرہ میں سے صرف اڑھائی مضمون "اماں پانی"، "آب و دانہ" اور "بھول نہ جانا" درجِ کتاب ہذا کیے گئے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ موجودہ مختصر کوشش کسی آئندہ طویل العمری کا یا یہ نقشِ اول کسی بہتر نقشِ ثانی کا پیش خیمہ ہو سکے۔

مقدمہ

کسی نے خوب کہا ہے "سورج تلے کوئی چیز نئی نہیں" اور حقیقت بھی یونہی سمجھنی چاہیے۔ ہم اپنی عدم واقفیت، ناتجربہ کاری یا لاعلمی سے کسی نادیدہ و غیر شنیدہ بات کو نئی قرار دے لیں تو اور بات ہے ورنہ امعانِ نظر سے دیکھا جائے تو وہ کسی نہ کسی رنگ میں غالباً پہلے وقوع پذیر ہو چکی ہوگی۔ جس طرح تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے اسی طرح بعض وہ تحریکیں جو انسان کے تمدن اور معاشرت وغیرہ سے وابستہ ہیں، تکرار کے چکر کاٹتی رہتی ہیں۔ یہی حال آبادکاری کا سمجھنا چاہیے، جس کے لیے موجودہ تصنیف مخصوص ہے۔

میرے کرمفرما جناب لیفٹیننٹ کرنل سید نذیر علی کا یہ رسالہ ہر چند مختصر ہے لیکن اس کوزے میں وسیع موضوع کا دریا سمایا ہوا ہے۔ قابل مصنف کی جدت اور نظر کی دقت اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے موضوع ایسا چھانٹا جو ہمیشہ دنیا کے سامنے رہا ہے مگر آج تک کسی کو اسے احاطۂ تحریر میں لانے کی نہ سوجھی تھی۔ یہ دیرینہ کمی آج پوری ہو گئی اور اس نے صاحبِ تصنیف کے عمیق مطالعہ فطرت، اندازِ بیان کی ندرت اور اظہار مافی الضمیر کی قدرت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

حال سے ماضی کی طرف کئی ہزار برس کی لمبی زقند لگائیں تو صاف دکھائی دے گا کہ انسان آبادکاری پر حسبِ ضرورت اور حسبِ موقعہ عامل رہا ہے اور سو صدیوں جھیل کر ہم اس مضمون تحریک سے مستفید ہوتا رہا ہے دیکھا جائے تو آبادکاری کی داغ بیل ڈالنے والے ابوالبشر حضرت آدم ہیں، جو بعض مذہبی روایتوں کے مطابق باغِ عدن سے نکل کر ادھر جا آباد ہوئے۔ چند پشتوں کے بعد حضرت نوح کا زمانہ آیا تو روئے زمین پر طوفانِ آب کے بعد انہوں نے اپنے تینوں فرزند سام، حام اور یافث اطرافِ عالم میں بھیجے جن کی اولاد سے ملکوں کے ملک آباد ہو گئے۔

سام بنی عبر کا باپ تھا۔ حضرت ابراہیم اور خود انہی کے نسل میں سے تھے جن کی قوم عرب اور شام وغیرہ میں آباد رہی۔ حام کا فرزند کنعان تھا جس کے نام پر ایک علیحدہ علاقہ آباد ہوا۔ نمرود جیسا جبار و قہار بادشاہ اسی کی نسل میں سے تھا۔ یافث طوفان کے بعد بحرِ خزر کی طرف آگیا تھا جس کی اولاد رفتہ رفتہ ترکستان، ختن، ختا، منگولیا اور چین تک پھیل گئی۔ ترک اور مغل اسی کی نسل کی دو مشہور قومیں ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ آبادکاری کسی نہ کسی وجہ سے ہمیشہ اولادِ آدم کے سامنے رہی ہے اور اُس زمانے کے انسان حمل و نقل اور ذرائع آمد و رفت کی گوناگوں دقتوں کے باوجود بھی اس سے خوب عہدہ برآ ہوتے رہتے تھے۔ اس کی تہ میں مختلف اسباب محرکہ کارفرما ہوا کرتے تھے۔ مثلاً آب و ہوا کی ناموافقت، موسم کی شدت، خوراک کی قلت، انفرادی یا قومی ذلت، باہمی معاندت یا اجتماعی قوت میں زیادت وغیرہ۔ جس پر تاریخ بخوبی شاہد ہے۔ اس سے قطع نظر بعض مذہبی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ بعض مصلحتوں کے ماتحت کبھی کبھی خود آبادکاری کا محرک ہوا ہے جس کی تائید میں ذیل کے چند حوالے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ توریت کی کتاب پیدائش کے بارھویں باب کی ۱۹ ابتدائی آیتیں اس پر کافی روشنی ڈالتی ہیں۔ جن کا ملخص یہ ہے:۔

"اور خداوند خدا نے ابراہیم سے کہا تھا کہ تو اپنے ملک اور اپنے قرابتیوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اس ملک میں جو میں تجھے دکھاؤں گا، نکل چل۔ اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں

گا...... سو ابراہیم خداوند کے کہنے کے موافق روانہ ہؤا اور لوط بھی اس کے ساتھ چلا ......

ابراہیم اپنی بیوی سارہ اور اپنے بھتیجے لوط اور سب مال کو جو انہوں نے حاصل کیا تھا اور اُن آدمیوں کو جو انہوں نے حاران میں پائے تھے لے کر کنعان کے مُلک میں جانے کو نکلا۔ سو وہ مُلک کنعان میں آئے۔"

اس واقعہ کے چند صدیاں بعد جب بنی اسرائیل مصر میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور اس نے بنی اسرائیل کو قعرِ مذلت سے نکالنے اور آزادی کی روح پرور ہوا کھلانے کو حضرت موسیٰ مقرر فرمائے۔ جنہوں نے ۶ لاکھ سے زائد بنی اسرائیل کو سرزمین فراعنہ سے نکال کر پہلے بیابان سینا میں رکھا پھر فلسطین کی ارض موعودہ دلوائی جو آج بھی افسوس ناک وجہ نزاع بنی ہوئی ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل توریت کی کتاب خروج میں درج ہے۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ جب لوط حضرت ابراہیم سے جدا ہو کر یردن کی ترائی میں آباد ہونے کو چلے گئے تو خدا نے حضرت ابراہیم سے کہا "اپنی آنکھ اٹھا اور اس جگہ سے جہاں تو ہے۔ اُتّر اور دکھّن اور پورب اور پچھم کو دیکھ کہ یہ تمام ملک جو تو اب دیکھتا ہے۔ میں تجھ کو اور تیری نسل کو ہمیشہ کے لیے دوں گا...... اُٹھ اور اس ملک کے طول و عرض پر پھر کہ میں اُسے تجھے دوں گا۔ حضرت ابراہیم نے اپنا ڈیرا اٹھایا اور ممرے کے بلوطوں میں، جو حبرون میں ہیں، جا رہا ......"

چوتھے موقعہ پر خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے اس وقت عہد کیا جس وقت وہ بے اولادی سے وقف مایوسی تھے کہ تیری اولاد ستاروں کی طرح بے شمار ہوگی، جسے میں مصر کی ندی سے لے کر فرات کی ندی تک کا علاقہ دوں گا۔

علاوہ بریں حضرت ابراہیم کی زندگی میں ایک واقعہ اور پیش آیا تھا جس سے ظاہر ہے کہ وہ قلت خوراک کے باعث نقل مکان پر مجبور ہوتے تھے، توریت کہتی ہے کہ حضرت ابراہیم اپنا آبائی ملک چھوڑ کر کنعان میں پہنچے تو وہاں سے رفتہ رفتہ دکھن کی طرف روانہ ہو گئے، جہاں سخت کال پڑ گیا۔ مصر کا عزم سفر کیا گیا اور کچھ مدت بعد کنعان کو واپس پھرے، اپنا بھتیجا لوط بھی ہمراہ تھا ان دونوں کی بھیڑ، بکریاں، بیل اور ڈیرے تھے۔ ملک میں اتنی گنجائش نہ تھی کہ اکٹھے رہیں۔ تایا اور بھتیجے کے چرواہوں میں جھگڑا ہوا۔ حضرت ابراہیم کو لوط سے کہنا پڑا: "کیا تمام ملک تمہارے سامنے نہیں۔ اپنے تئیں مجھ سے جُدا کیجیے۔ تم بائیں طرف جاؤ تو میں داہنی طرف جاؤں گا، تم داہنی طرف جاؤ گے تو میں بائیں طرف جاؤں گا۔ لوط نے یردن کی ساری ترائی پسند کی اور پورب کو چلا۔ حضرت ابراہیم کنعان کے ملک میں رہے اور انہوں نے سدوم کی طرف اپنا ڈیرہ کھڑا کیا۔"

آبادکاری کی انفرادی کوششوں کے علاوہ بعض عجیب و غریب قومی مساعی بھی عمل میں آتی رہی ہیں۔ کرۂ ارض ابتدا میں یوں انسانوں سے معمور نہ تھا، جس طرح آج کل نظر آتا ہے۔ آخر قوموں کی قومیں نقل مکان کر کے ایک مقام سے دور دراز مقامات تک پہنچی ہیں۔ کہتے ہیں آج سے ۵ ہزار برس پیشتر دراوڑ قوم جو عراق، عرب کی طرف سے آئی تھی، سندھ اور پنجاب میں آباد تھی جن کے بعض آثارِ قدیمہ ان دنوں موہنجو ڈارو اور ہڑپہ جیسے مقامات سے برآمد ہو رہے ہیں۔

اس کے بعد حضرت مسیح سے بہت پہلے آریہ قوم وسط ایشیا سے اٹھ کر اور کوہ ہندوکش کو عبور کر کے شمالی ہند میں داخل ہوئی اور رفتہ رفتہ سارے ہندوستان پر چھا گئی۔ اسی طرح شمالی امریکہ میں امریکن انڈین قوم کا پہنچ جانا، وسط امریکہ میں مایا قوم کا موجود ہونا اور آسٹریلیا و نیوزی لینڈ جیسے منقطع خطوں میں اصل باشندوں کا چلے جانا، وہ تعجب انگیز واقعات ہیں جن میں تاریخ کوئی روشنی نہیں ڈال سکتی۔ رہے ماضی قریب کے واقعات! ان میں چند انگریزوں کا برطانیہ سے اٹھ کر ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں یا دوسری طرف آسٹریلیا میں، یا تیسری طرف افریقہ میں جا پہنچنا، ایسے تاریخی حقائق ہیں جن کی تفصیل سبھی کو معلوم ہے ــــــــ میرا مطلب امور بالا کے حوالے سے یہ ہے کہ جنگ کی طرح آبادکاری بھی ایک ناگزیر شے ہے، یہ جس طرح اب سے پہلے دنیا کے سامنے رہی ہے، آئندہ بھی رہے گی۔ قابل مصنف نے اس موضوع کو حوالہ قلم فرما کر ایک بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے۔ وہ چونکہ بہاولپور اور سندھ کے قرب میں قیام پذیر ہیں۔ اس لیے اُن کے اعلیٰ افکار آبادکاری کے ان اذکار تک محدود رہے جو ان دونوں صحرائی علاقوں کے خاص حالات سے متعلق ہیں۔ ان کی دقیقہ شناس نگاہ اور نکتہ رس طبیعت نے بہاولپور کی عام آبادکاری میں جو اُن کے وقت کی تحریک ہے، وہ باتیں دیکھی ہیں جن کا خاص طور پر احاطہ تحریر میں لانا ضروری

[...]ھا۔ چنانچہ ایسا ہو گیا اور کتاب آباد کار معرضِ وجود میں آ گئی جس میں دیہاتی تمدن [...]معاشرت، دیہی صلح کل، رسم و رواج، دہقانی سادہ لوحی، صحرائی سفر کی صعوبت [...]انی صبر و برداشت کی انتہا، عشق زمین کی بلاخیزی، عظیم الشان مالی، جسمانی [...]ر جانی قربانی وغیرہ، وہ چیزیں ہیں جن کی لفظی تصویریں کھینچنے میں مصنف نے [...]مال دکھایا ہے۔ کتاب آباد کار کیا ہے؟ دیہاتی زندگی اور اس کے مختلف [...]ہلوؤں کا ایک عجیب و غریب مرقع ہے، جس کے نقوش لائق مصنف [...]ی حساس طبیعت اور حقیقت رقم قلم نے اعلیٰ ادبی سیاہی سے عین [...]ل کے مطابق کھینچے ہیں۔ اسی بنا پر میرے نزدیک یہ تصنیف دیہاتی لٹریچر [...]یں اپنی نوع کا اولین اور قابلِ قدر اضافہ ہے جس کے لیے میرے گرامی قدر [...]وست موصوف قابلِ مبارکباد ہیں۔

مرزا محمد سعید بیگ

مدیر "زراعت"

۸۴ - میکلوڈ روڈ، لاہور

ستمبر ۱۹۳۹ء

اماں! پانی!

[...]لا منظر:

[...]یگستان کی ایک بستی: راموں شاموں کے ماں باپ کی خوشحالی کا اندازہ بچوں کے قیمتی خوشنما کپڑوں سے بخوبی ہو رہا [...]ھا۔ گرے کوٹ کے یہ مفلس ڈھیڈ سندھ کے موضع چھپنی میں جا کر کاروبار کی وجہ [...]سے کافی مال دار اور آسودہ حال ہو چکے تھے۔ متواتر بارش نہ ہونے سے ٹوبے [...]کی روز بروز کم ہونے والے پانی کی حالت مضر صحت ہو رہی تھی۔ قصبہ گرے [...]کوٹ کے اکثر قدیم باشندے خارِ وطن از ملک سلیمانؑ خوشتر سے تنگ آ کر [...]روہی کی برکھا رُت کے سمے کی دلفریبیوں، گترن سے مہکی ہوئی پُرتر ہواؤں [...]اور چاندراتوں کے خاموش عشق پرور نظاروں کو خیر باد کہہ ہجرت کر چکے تھے۔

محبت کا تقاضا: گرے کوٹ کے چھپروں میں برسوں کھیلا پلا گردھاری جاٹ کئی بیاہنے اور پرستر برس عمر، سفید و سیاہ بکھرے ہوئے سر کے بال اور داڑھی، راست قامت، پتلا دُبلا مگر تندرست و توانا، کثیر العیال راموں شاموں کے ماں باپ کے ساتھ سندھ چلنے والے گرے کوٹ کے رہے سہے چند گنتی کے خاندانوں کو کوٹ کی سکھ اور صحت بھری زندگی کی طرف توجہ دلا کر طرح طرح کے جتن کر رہا تھا کہ وہ دیس چھوڑ کر نہ جائیں۔

قافلہ بھر چکا تھا، کُلہم ستر گھروں میں سے بیس پچیس گھر لد لدا چکے تھے۔ پانی نہ سہی، روٹی نہ سہی، وطن پھر وطن ہے۔ چلنے والوں کے دماغ میں گردھاری جاٹ کے الفاظ رہ رہ کر گھوم رہے تھے "برکھا رُت دور نہیں، ایشور کی کرپا خوب مینہہ برسے گا۔ سب کے سب نیارے ہو جائیں گے۔ ٹوبے جب بھرپور ہو جائیں گے تو گوگڑی، باجری، دودھ، چھاچھ کی پھر کیا کمی رہے گی، گوری نیلی کا ٹک سے گابھن ہیں۔ چھوٹے چھوٹے گئو جاتے ٹوبے کے آس پاس بکریوں، بھیڑوں اور شتر بچوں میں بھاگتے پھرتے بھاگ بھرا سماں پیدا کر دیں گے۔ بھاگ بھرے دیس کو چھوڑ کر سندھ بیاری کے گھر میں جانے سے کیا فائدہ؟"

رواداری و بے تعصبی: "قاجی الٰہی بخش کی میت کا چھپر جب آپ اور سبھی سنگت چلی جائے گی۔ تو کون چڑھوائیگا۔ آپ سب بھائیوں کی کرپا سے بچارے قاجی جی کے بال بچے روٹی ٹکڑا پا لیتے تھے۔ قاجی جی ہی چلے گئے، تو چٹھی پتر کون لکھ پڑھ دے گا۔"

دوسرا منظر:

دیہاتی صلح کل: زمانہ! بھائی برتاوا، عقیدت کیشی، کیا ہی بھلا سماں اور کیا ہی بھلے لوگ تھے۔ سندھ جانے والے ہندو مسلمان پہلے دیوی جی کے درشن اور آگیا کے لیے گاؤں کے مندر میں گئے، اور پنڈت کلاشن جی کے چرن چھو، آشیرباد کی استدعا کی۔ دیوی جی کے درشن سے فارغ ہو، گرے کوٹ سے پدھارنے والے ہندو مسلمان قاجی جی سے مسجد میں حاضر ہو کر رام رحیم کا واسطہ دے کر دعا کرا رہے تھے۔

سرِ تسلیم خم: گردھاری جاٹ کی باتوں کا اثر، راڈھو پنڈت، سیٹھ تُلسی، نُرو مہر اور چند ایک اور نے اونٹوں پر سے اپنے لدے لدائے بوجھ واپس کھول ڈالے اور سندھ جانا ملتوی کر دیا لیکن، باقی چالیس پچاس اونٹوں کا قافلہ ستر اسی میل دشوار گزار ریت کے ٹیلے، ہر قدم پہ بھول بھٹک جانے کا ڈر، عجیب گوناگوں مال اور اسباب کا حال بعد از نماز

عصر روانہ ہونے کو تیار تھا۔ دو دن رات کا تھکن اور ڈیڑھ گرمی اور موسم کی شدت سے نہ خراب ہو سکنے والے ڈھوڈسے، ڈیلے، سنگریاں اور گڑ ٹکی اور خالص گندم کے آٹے کی بنی ہوئی بُسریاں، حسبِ مقدور ہر خاندان کے ساتھ تھیں

ریگستانی زادِ راہ: بیابان میں سفر کرنا تھا۔ گاؤں گرے کوٹ میں رہ جانے والوں کی طرف سے تقاضا تھا۔

"مجھی پانی تھوڑا نہ اٹھائیو۔ روہی میں پانی بنانہ بنے گی"۔ ہر چند سبھی گاؤں میں رہ جانے والے مرد و عورت۔ گاؤں سے جانے والے مرد و عورت کو سمجھا بجھا رہے تھے کہ ضرورتی کس کم از کم دو دو دلیڑے بھر لیں۔ لیکن شانِ ایثار! اس خیال سے کہ بارش میں ابھی تین مہینے پڑے ہیں۔ تالاب کا پانی کہیں بارش سے پہلے نہ چک جائے۔ جانے والوں نے اپنے ساتھ بہت کم ہی پانی اٹھایا ——— !

فیاضی اور ایثار: کاش دنیا کی کوئی لیگ (لیگ آف نیشن یا مزدور کانفرنس وغیرہ وغیرہ) ایثار کا ایسا بے رنگ اور بے روپ نمونہ پیش کر سکے۔ چلتی گاڑی میں چڑھنا منع ہو کہ اُترنا، مگر یہاں لوگ اُتر بھی رہے تھے اور چلتے ہی چلتے اونٹوں پر حسبِ ضرورت چڑھ بھی رہے تھے۔ کہیں اُتر گئے، آگ جلائی، حقہ بھرا، پھر تیز قدمی سے بڑھ حقہ اونٹ پر بیٹھی ہوئی بیوی کو پکڑا اپنی سیٹ میں آموجود ہوئے۔

جہازِ صحرائی کی پُرسہولت سواری: ستاروں بھرے آسمان اور ریت بھری زمین میں رات بھر سوتے جاگتے، قافلہ ہے کہ ٹیلوں کے اُتار چڑھاؤ میں جرس کی نیند اور مدہوش کُن صداؤں کے ساتھ برابر ایک ہی رفتار اور ایک ہی انداز میں پھسلتا چلا جا رہا ہے۔ کہیں کوئی ہنڈیا یا چھاج چھلنی گر گئی تو کیا ضرورت کہ خطرے کی زنجیر کھینچی جاتے۔ اونٹ پر سے کُود کے گری چیز اٹھا جس کی ہے اُسے پکڑا۔ اپنے اونٹ پر لپک لپکا چڑھ گئے۔

نور کے تڑکے کی دیہاتی مصروفیتیں: صبح صادق شب بھر کا بھیگا بھیگا ریت مُرغِ سحر کہیں قافلے میں سے کسی اونٹ کے کجاوے کے سرے پر کہیں اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے، چلتے ہوئے اونٹوں پر سے اذانیں دے رہے تھے اور برعکس شہر والوں کے روہی میں رہنے والے صرف مرد باوجود کمی پانی کے تیمم نہیں بلکہ وضو کر نماز پڑھ رہے تھے اور گھر والیاں جو یہاں برعکس شہر والیوں کے جنہیں حسبِ رواج نماز کا فریضہ معاف ہے۔ چلتے ہی چلتے اونٹوں پر اگلے دو روز کے گزارے کے لیے سُورج نکلنے سے بیشتر دو دو چار چار سیر آٹا پیس چکی تھیں کسی کسی خوش قسمت خاندان میں دودھ دہی کی برکت، لسی تیار ہو چکی تھی۔

بیابانی خضرِ راہ: گرے کوٹ کے دو چار معمولی راستہ نکال لینے والوں کے علاوہ ایک نہایت ماہرِ فن راستہ نکال لینے والا اور تجربہ کار علیؔ، قافلہ کے ہمراہ ساوی بھٹ تک ساتھ ہے، قافلہ والوں کے لیے اب باقی سفر موضع چنی تک چنداں مشکل نہیں، جھوک جھوک منزلِ مقصود تک پہنچ سکنا آسان ہے۔ بلیس میل کا سفر جو قطار میں رات بھر میں طے پایا تھا۔ علیؔ نے اپنی اونٹنی مہارانی پر صرف تین گھنٹے میں طے کرنا ہے۔ الوداعی چند منٹوں میں علیؔ کو مختلف پیغام مختلف اشخاص گرے کوٹ کے نام لے کر روانہ ہونا تھا۔ سو کسی کے پاؤں چھو، کسی سے بغل گیر ہو، کسی کے سر پر ہاتھ پھیر، یہ خضرِ بیابان مہارانی کی مہار اٹھا۔ آناً فاناً چڑھتے دن کی روشنی میں جوں جوں قافلے سے دُور ہو رہا تھا۔ قافلے والوں کو اِک غزالِ بیابان کی طرح دکھائی دیتا رہا۔

روہی کے سفر کی صعوبتیں: دن چڑھتا گیا۔ دھوپ پھیلتی گئی ریگستان کا رات کا میٹھا سہانا منظر اب دھوپ اور گرم ہوا میں گرم گرم ریت کی سانپ نما مضطرب لہروں کی صورت کاٹنے کو بڑھا چلا آتا تھا۔ الامان! کوئی چھوٹا موٹا درخت بھی آیا تو سایہ نہ تھا خدا خدا کر کے شاید برسات کی برکت سے نزدیک ہی اونچے ٹیلوں کے، قرب و جوار میں اللہ کے فضل و کرم سے پانی ہی پانی تھا اور اس سے ذرا پرے سایہ دار درختوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ تھکے ماندے جانور بے حد تھک چکے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے کجاووں میں بیٹھے اُکتا گئے تھے۔

آرام کی ضرورت: سب کی یہی مرضی، گرم وقت ہے گھنٹہ بھر سستا لیں۔ پانی بھر، ظہر کی نماز پڑھ چل پڑیں گے۔ اونٹ چلتے رہے، پانی اور سایہ نظر آتا رہا۔ تھکا ماندہ قافلہ اگر جھوک بدھو نہ آجاتی خدا جانے ہزار ہا قافلوں کی طرح لقمۂ اجل اور روہی کی نذر ہو جاتا۔

جذبہ مہمان نوازی: بھلا ممکن تھا کہ بغیر خاطر تواضع بدھو کی سلطنت میں سے قافلہ گزر سکتا۔ ۷، ۸ معمولی ٹوٹے

پڑنے گھڑے تین چار سا حلیں میٹھے پانی سے بھر لوپ، لوٹہ کوئی چالیس پچاس گاڈ، بھیڑیں، بکریاں، اللہ کا دیا سبھی کچھ تھا۔ جھوک کی جملہ آبادی ۱۹ مرد، عورت، بچے، بوڑھے۔ شاندار موقع مہمان نوازی ملنے کے سبب سے دوڑے بھاگے پھرتے تھے۔ جھوک میں قافلہ کیا آیا عید آگئی۔ کوئی پانی بھرے لا رہا تھا کہیں جانوروں کے پانی پلانے میں مدد دی جا رہی تھی، صبح کا بُجھ چکا ہوا تنور گرم ہو چکا تھا۔ گیہوں کے آٹے کی روٹیاں دھڑادھڑ پینتیس چالیس افراد قافلہ کی خاطر مع لسّی، دودھ اور شکّر تیار تھیں۔ شالو وڈیرے کی جو قافلہ میں سب سے بزرگ ہونے کی وجہ سے روہی کی اس برادری کے "گرینڈ انچارج" ہیں۔ بدھو والے منتیں کر رہے ہیں کہ ان کا تِل پھل جو کچھ حاضر ہے منظور کر کے جھوک والوں کی لاج رکھی جائے۔ پارسال کے آپس کے تنازعات اور لوٹ مار بھلا دی جائے۔

غیرت کا تقاضا: قافلے والوں میں سے اکثر بچے، عورتیں پیاس سے نڈھال ہیں۔ پانی سامنے ہے، مگر وڈیرے کی اجازت بغیر کیا مجال کہ پیاس کی تکلیف تک کا ذکر بھی قافلے والوں کی زبان پر آتا۔ ہر چند چھوٹے چھوٹے بچوں کی بے تابی بڈھے قافلہ سالار کے علم میں ہے لیکن بدھو والوں کی پچھلے پھاگن میں کوٹ کے چند ڈھوروں کو دبا لینے کی کرتوتیں اور فساد خاص کر چوری کر کے لے جانے والے جانوروں میں دو جانور ایک تو ڈا اور ایک لیاری، ڈاچی تو خود ملّاں جی کی تھی۔ ان دو جانوروں کی واپسی کے لیے بدھو والوں کی منتیں تک کی گئیں۔ لیکن انہیں کچھ احساس نہ ہوا اور کوٹ والوں کو ملّاں جی سے عمر بھر شرمسار رہنا پڑا۔ گئے گذرے واقعات کی یاد اس شریف بڈھے ہندو کو بے حد سنگدل بنا رہی تھی اور اس کی پیاس کی تلخی کو پسِ پشت ڈال رہی تھی۔

شریفانہ انتقام: قافلے والوں کو اس بات کا احساس کر کے انتہائی مسرت ہو رہی تھی کہ بدھو والوں کے لیے ڈوب کر مر جانے کا مقام ہوگا کہ ان کے ٹوبے سے روہی کا ایک پیاسا قافلہ بے پانی پیے جا رہا ہے۔

حیلہ گری: ملک بدھو کے لیے اس ذلت سے بچنے کا روہی کے قدیم ڈھنگ کے مطابق صرف ایک ہی حیلہ رہ گیا تھا کہ جھوک کی بڑی بڑھیا ننگے سر جا کر قافلے والوں کی منت کرے کہ وہ جھوک سے کھائے پیے بنا نہ جائیں۔

احساسِ عفت: چنانچہ چنن مائی جس کے سر سے اس کی اپنی یاد میں کبھی سر کی اوڑھنی کھسکی تک نہ تھی معاملے کی نزاکت کے خوف سے بدحواس ہانپتی کانپتی سر ننگا ہونے کی بے آبروئی سے شرمسار، قافلہ کی کل جماعت کے سامنے دست بستہ اپیل کا مجسّمہ، مدت کی بگڑی برادریوں میں ایک عظیم الشان انقلاب اور ہیجان پیدا کر چکی تھی۔

جنگ کی جگہ صلح: جہازانِ صحرائی کے لنگر قریب تھا کہ اُٹھ جاتے اور قافلہ جھوک بدھو کی نفرت بھری حدود سے پار ہو جاتا۔ لیکن قافلہ والے جھوک والوں کی اس حیلہ گری سے عٔ شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا ہے۔ ہار کر ہتھیار ڈال چکے ہیں۔ شالو وڈیرے نے اونٹ سے کود، نزدیک بیٹھی ہوئی، چھوٹی سی بچی کے سر کی اوڑھنی گھسیٹ، اماں مائی کہتے ہوئے جھوک بدھو کی اس صلح دامن کی دیوی کے سر پہ ڈال، ہاتھ جوڑ، چلتے اونٹوں کو رُک جانے کا اشارہ کر، جھوک والوں کی ضیافت کی منظوری کا اعلانِ عام کر، اونٹوں سے بوجھ کھول ڈالنے کا حکم دے دیا۔

عالی ظرفی: کیا مجال طرفین سے وجہ نزاع کی نسبت حرف گیری یا تنقید ہوتی۔

رخصت: سرمایہ داری سے ناآشنا۔ روہی والوں کی فراخ دلی، ہر ایک چیز بافراط، مہمانوں کے سامنے مٹی تانبے کے لگنوں میں ڈھیر تھی۔ کھانے سے فارغ ہو، تپاک سے گلے مِل مِلا۔ قافلے والے ایک اور دن رات کی منزل طے کرنے کو روانہ ہو گئے۔

تیسرا منظر

آبِ حیات کی کمی: شالو کے قافلہ کو گئے ہوئے دو ماہ ہونے کو آئے تھے کہ گرے کوٹ کی حالت کچھ تو بے رونقی اور کچھ کمی پانی کی وجہ سے ضعیف تر ہو رہی تھی۔ جانور گرمی کی شدت سے مرتے جا رہے تھے۔ پانی کی کمی کا سدّباب ڈاچیوں کے دودھ سے کیا ہوا تھا لیکن جب وہی دودھ جس پر سہارا تھا آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا تو بڑوں بوڑھوں کو ایک سخت خطرے کا وہم شروع ہوا۔ پے در پے چار پانچ موتیں ہو جانے

سے بستی کا ہر شخص، بچہ، بوڑھا، عورت، مرد ہراساں نظر آرہا تھا۔ دن بھر میں جہاں سخت گرمی کی وجہ سے ایک ایک گھڑا پانی پینے کی ضرورت تھی، محض دو تین گلاس فی کس کے حساب سے پانی خرچ ہو رہا تھا۔

حدت کی انتہا: ہوا آگ ہو رہی تھی۔ پانی ہوا ہو رہا تھا۔ جب زندگی کے اسباب یا دو نہایت ہی ضروری عناصر یوں بے رخی سے پیش آئیں تو فرشتے ممکن ہے نباہ لیں مگر انسانی فطرت سے ممکن نہیں کہ اس شکل و صورت میں نباہ ہو۔

ترکِ وطن: دو، دو، تین تین کنبے ہر صبح و شام لد لدا کوٹ سے آئے دن کوچ کیے جا رہے تھے۔

کنبے کا کوچ: عظیماں سات آٹھ برس کی چھوٹی سی جان آج خوش ہے کہ دو ایک روز میں اپنی پیاری خالہ بختو اور خالہ زاد بہن بھائیوں۔ مائی سونل اور کاکے قادو سے جنہیں آج وڈیرے شالو کے قافلے کے ساتھ گئے دو مہینے سے دو چار روز اوپر ہو چکے ہیں۔ سندھ کے موضع جھٹی میں جا ملے گی۔

صحرائی سوغات: کچھ تلی سنگریاں کھمبیوں وغیرہ سے خرجیاں بھرنے کا اہتمام ہو رہا ہے کہ خالہ زاد بھائی بہنوں کے لیے سوغات ساتھ ہو۔

جدائی کی تلخی: پانی نہ رہا تو آنسو کہاں؟ چند روانہ ہونے والے چند رہ جانے والوں سے گلے مل رہے ہیں۔ دل پگھلا جا رہا ہے۔ کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر زبان کہتی نہیں۔ امید ہے مگر نہ ہونے کے برابر۔ ڈور سے ٹوٹی ہوئی پتنگ کی طرح کوٹ کے باشندے بکھر رہے چلے جاتے ہیں۔ کچھ بہے چلے جاتے ہیں۔ جہاں وہ گر پڑا وہاں کے اودھم باز لڑکوں نے نوچ ناچ لیا۔ یہی حشر ان بادیہ نوردوں کا ہوتا ہے جو پیاس کی شدت اور موسم کی حدت سے گھبرا کر راہ بھٹک جانے پر ایک ہی سلسلہ ریگ زار کے کئی کئی طواف کر کے ہار کر گر پڑتے ہیں اور روہی کے کبھی نظر نہ آنے والے بھیڑیوں اور چیلوں، کوؤں کی دیرینہ مرگ آور آرزوؤں اور روزِ روشن کے خوابوں کی عملی تعبیر بن جاتے ہیں۔ ع

"درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا"

ربوبیتِ عامہ: آخر رب العالمین ہے۔ بھیڑیوں، چیلوں، کوؤں کی آرزوئیں پوری کرنے کی بھی تو اسی کی ذمہ داری ہے

خواجہ خضر کی موہومی: خواجہ خضر صاحب کی بھی ایک ہی کہی۔ آپ بھی انہیں کو رستہ بتلاتے ہیں جنہیں رستہ آتا ہے۔ بھولے ہوئے کبھی بھولیں ہی نہ۔ اگر ایک آدھ دفعہ روہی میں بھول گئے تو خواجہ خضر صاحب کو بھولے سے بھی یاد نہ کرنا بہتر سمجھنا چاہیے۔

قوتِ برداشت: موسم خراب، آئے دن کی آندھیاں، کوٹ کے تالاب کا پانی ختم ہو چکا ہے۔ کئی ثابت قدم خاندان اب بھی ع "وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے" شدید سے شدید واقعات کے باوجود بھیڑ بکریوں کے دودھ پر گزارہ کرتے ہوئے راسخ الاعتقادی سے وطن کے درو دیوار سے چمٹے، بارش کی امید میں موت کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

سوگوار آوازیں: عظیماں، عظیماں کے ماں باپ، ایک کھوسٹ بڈھا آج رات کوٹ کے کتوں کی درد انگیز اور سوگوار آوازوں کے شور و بکا میں "زندہ رہے تو پھر ملیں گے" کو دل میں جگہ دے کر تین خستہ خراب اونٹوں پر ٹوٹے پھوٹے ساز و سامان کے ساتھ روانہ ہیں۔

بھیانک موت: کمزور جانور، چار مایوس انسانی ہستیاں، چیلوں کا سر پہ منڈلانا، بلا خیز گرمی، عظیماں کے ماں باپ سمجھ چکے تھے، وقت آگیا۔ ریت کے ٹیلوں کا سلسلہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ریگستان کے رواج کے مطابق پہلے تو اونٹوں کی مہاریں کاٹ ڈالیں تاکہ شتر بے مہار ہو کر شاید کسی جھوک کا رخ کریں، اس چھوٹے قافلے کو ہلاکت سے بچا لیں پھر اونٹوں کے چلتے چلتے گر گر پڑ پڑ جائیں ایک اونچے ریت کے ٹیلے کی اوٹ میں اتر پڑے۔ چھوٹی بچی کے سر کی اوڑھنی لکڑی میں باندھ کے پر نصب کر دی گئی کہ شاید کوئی راہ گزر ریگستان والوں کے اس آخری جتن کو دیکھ پائے اور ہلاک ہونے والوں کے لیے وقتی مدد کا باعث بن جائے۔ زبانیں نکلی ہوئیں۔ گڑھے کھود ہر ایک نے اپنے تئیں ٹھنڈے ٹھنڈے ریت پر پیٹ کے بل ڈال رکھا تھا۔

قافلہ سالار کی موت: انتہائی گرمی کی شدت میں سارا دن بھاگ بھاگ کر اونٹوں کو دھکیلنے، ہانکنے کی وجہ سے عظیماں کا باپ تھکان اور پیاس سے فنا ہو رہا تھا۔ علاوہ بریں اس

ہونے سے قافلے کی تمام تر ذمہ داری کا بوجھ، بیوی بچوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔

گدھوں کی ہوشیاری: نقاہت اور بے سروسامانی کا بُرا ہو سردار قافلہ کے جیتے جی ریگستانی گدھ ان میں گمرپل سکنے کی طاقت کہاں؟ گدھ اور تجربہ کار گدھ خوب جانتے تھے کہ ہے سے کا بیٹھے بیٹھے محض ہاتھوں کو اُٹھا گرا کر ڈرانے کا کوئی ڈر نہیں۔ یہ اسیرانِ موت اب بچ کر نہیں جا سکتے۔ گدھ سچے تھے۔ عظیماں کی ماں نے بھی شام سے پہلے پہلے قافلے کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ایک بڑھیا اور ایک بچی سے یہ بے وفائی۔ ایک اونٹ بیمار، ایک مر چکا تھا۔ کوٹ کے کتے بچے تھے۔ ان کی پیشگی آہ دلکا بے وجہ نہ تھی۔

مرنے کی تیاریاں: رات بھر سخت طوفان باد، باقی مرنے کے امیدوار ایک بڑھیا ایک بچی اور ایک جفاکش و وفا کیش اونٹ۔ آندھی تھی طوفان تھا۔ تاہم خنکی کی وجہ سے ان مسافروں کی رات کسی قدر سکون و آرام سے گزری۔ پھر وہی دن کی دھوپ کی شدت۔ ایک ننھی سی جان عظیماں دادی اماں کی گود میں بلک بلک کر دم توڑ رہی ہے۔ خاموش چارزانو بیٹھا ہوا اونٹ اس منظر کا واحد نظارہ بین اگرچہ حیوان سہی، لیکن انسانی صبر کے اس امتحان میں دم بخود ہے۔

اماں پانی! عظیماں کی بار بار پکار اماں پانی! اس خوفناک خاموشی کو پیہم شکست دیتی تھی۔ بڑھیا بچی کو گود سے ریت پر ڈال کر خوراک کی گٹھڑی کو جس میں کچھ پنیر اور سنگریاں وغیرہ تھیں، ڈھونڈ رہی تھی لیکن شومیٔ قسمت! وہ بھی رات کے طوفان باد کی بھینٹ چڑھ کر شاید ریت کے نیچے دب جانے کی وجہ سے کچھ اس طرح روپوش ہو چکی ہے کہ تھی ہی نہیں۔

عظیماں کی موت: چھوٹی سی بچی نے انسانی مصیبت کی اس انتہا پر دمِ آخر میں دادی اماں کو خالی ہاتھ اور آنکھوں میں پانی بھرے آتے دیکھا تو خدا جانے کیوں مسکرا دیا۔ شاید فنا سے پہلے اُسے بقا کے سمندر نظر آ چکے تھے۔ مرتی ہوئی بچی نے کہا اماں! پانی! اماں! پانی! اور جان دے دی۔

زور کی آواز: قافلے کی آخری نشانی عظیماں کی دادی کے ہوش و حواس اگرچہ بشدت پیاس اور عزیزوں کی اوپر تلے اموات سے بے حد اُڑ چکے ہیں اور گھونسٹ بڑھیا بجائے خود ایک خشک جھاڑ کی طرح اس اجاڑ کی رونق ہو رہی ہے۔ کان اگرچہ سننے کے قابل نہ رہے تھے۔ لیکن اس قدر زور و شور کی آواز کان سُنیں نہ سُنیں وہ کانوں میں خود بخود سمائی چلی جاتی ہے۔

انجینئر کی موٹر: زندگی سے تنگ آئی ہوئی خاتون نے دوچار قدم ٹیلے کی چڑھائی چڑھ آنکھوں پر کانپتا ہوا ہاتھ رکھ ایک عجیب قسم کی چوپہیہ گاڑی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اپنے ہی جیسے تین انسانوں سے لدی ہوئی دیکھی۔ بڑھیا کے دیکھتے دیکھتے موٹر لاری جس پر نہروں کی سکیم کے کاغذات سنبھالے، ایک انجینئر صاحب مع اپنے عملہ ماتحت کے سوار تھے۔ ٹیلے کے نیچے آ کھڑی ہوئی۔ ایسی سواری یا ایسے سوار کبھی اس سے پہلے عمر بھر اس بڑھیا کے دیکھنے میں نہ آئے تھے۔ ممکن تھا بڑھیا انہیں دیکھ کر سہم جاتی، لیکن موت سے دوچار ہو رہی تھی۔ مزید ڈر کی اس کے دل میں گنجائش کہاں؟ موت سے بچ جانے والی کے قیامت خیز احساس۔ اپنے نہ مر چکنے پر افسوس کر رہی تھی۔ بڑھیا موٹر والوں کو موٹر ہی میں بیٹھا چھوڑ، ٹیلے کے اس طرف نیچے اتری جہاں بہو، بیٹے اور عظیماں کی لاش پڑی تھی۔ عظیماں کی لاش کو گود میں اٹھا، مری ہوئی بچی سے دل ہی دل میں اپنے مرنے کی دعا کر رہی تھی۔ موٹر والے چکر کاٹ، موقعہ واردات پر پہنچ، قافلے کی اس تباہی کا اندازہ کر کے متاسف تھے۔ بڑھیا کو معصوم بچی کی لاش سے گھسیٹ، موٹر میں لاد، چلتے بنے۔

رحم کی حیوانی التجا: بے زبان بیٹھا ہوا اونٹ گری ہوئی گردن اٹھا، جاتی ہوئی موٹر میں بیٹھے ہوئے جانے والوں کو حسرت بھری نگاہوں سے رہ رہ کر تک رہا تھا۔ اس کی زبانِ حال کہہ رہی تھی کیا اس ریگستان میں مرنے کو اس لیے چھوڑ دیا گیا ہوں کہ میں انسان نہیں؟ انسان نہ سہی! حیوان سہی! اونٹ سہی! جان رکھتا ہوں! ذرا دو گھونٹ پانی ہی دے دیتے تو شاید تمہاری اس حوصلہ افزائی کے طفیل اور جان بخش نعمت آب کے سبب تمہاری موٹر کے پیچھے پیچھے گرتا پڑتا کسی آبادی میں جا نکلتا۔

"اور نہ سہی موجودہ زمانہ کی تہذیب" ہمدردی

اونٹ کی آخری دعا: جانوراں" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے
کم از کم جاتے جاتے میرے گلے پر چھری ہی پھیر دیتے۔ "موٹر" "پنکچر" ہو
جائے اور میری طرح ریگستان ہی میں پیاسے مر مٹو تو...... لیکن نہیں
میں دعا کرتا ہوں! میں نہ سہی، تم بچ نکلو!

ملک کے سروے: برس ڈیڑھ برس میں ملک بھر کی سروے ہونے لگا کہ
کہیں کہیں نہروں کی کھدائی بھی ہو رہی تھی اور ملک
ملک کے رہنے والے نوجوان رسول رڑکی کے سند یافتہ، بوٹ لانگ
جراب۔ خاکی کوٹ نیکر پہنے، پلین ٹیبل اٹھائے، جابجا جنگلوں بیابانوں
کی پیمائش کر رہے تھے۔

"میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا"

پیاسی ہڈیوں کی مسکراہٹ: سروے کا دل گردہ، پانی کی کپی
کندھے سے اتار، پیاسے
مُردوں کی پیاسی ہڈیوں کے روبرو، ایک تو غٹاغٹ ٹھنڈا پانی پیا۔ دوسرے
انسانی کھوپڑیوں کو پھٹے ہوئے بوٹ کی ٹھوکر سے ہٹا، پلین ٹیبل کی
ٹانگیں درست کر، تپتے ہوئے ریگستان کا مستقبل بدل ڈالنے کی تجویز میں
سروے نقشہ زیرِ تجویز پر چند نوٹ اور لکیریں کھینچ چلتا بنا۔ سال گزرتے گئے۔
سروے ہوتی رہی، نہریں کھدیں، پانی آیا۔ بحرِ ہند کے بخارات، ہمالیہ کا برف
ستلج کا پانی، عظیماں، عظیماں کے ماں باپ کا مدفن، خاک آلود کھوپڑیاں
اب پانی کی اس دریا دلی پر ڈھل ڈھلا کر ہنس رہی تھیں۔ شاید اس لیے کہ
آئندہ روہی میں ان کی طرح کوئی پیاسا نہ مر سکے گا:

"آب و دانہ"

کوے کے لیے ہنس کی چال: نور دین کے بھائی برادر پنجاب
سول سروس کے اچھے اچھے
ممتاز عہدوں پر ملازم ہونے کی وجہ سے خیر آباد میں تقریباً سارے گاؤں
کے مالک تھے۔ تجارتی کاروبار کی وجہ سے امریکہ، آسٹریلیا تک ہو آئے
تھے۔ موجودہ زمانے کے تکلفات سے سجی ہوئی کوٹھیوں میں رہنے کے
باعث افراطِ دولت کے سبب سے "ویل، تم کیسا ہے؟" کے سوا اردو
میں گفتگو کرنا ان کے لیے ایک غیر زبان میں گفتگو کرنے کے برابر تھا۔

متمول بھائیوں کا حقارتی سلوک: نور دین اگرچہ ان میں سے
اکثر کا نہایت قریبی رشتہ دار
تھا۔ لیکن بوجہ غیر تعلیم یافتہ اور غریب ہونے کے برادری کی رسوم شادی،
غمی میں اوّل تو بلایا کم جاتا، دوسرے بلایا جاتا تو اسے امیر رشتہ داروں کے
معمولی ملازموں میں بیٹھنا، اٹھنا پڑتا۔ تعلیم نہ سہی، سمجھ والا تھا۔ برادری کے
اس سلوک اور نفرت کی وجہ سے غمگین اور اداس، اپنے ہی چھوٹے سے
مکان میں اپنے دو چار بیگہ کھیت کی محنت مشقت میں اچھا برا دن گزار
دیتا۔ اپنے چھوٹے سے مکان اور ۹ بیگہ تین کنال زمین کا سہارا عزیزوں
کی بے رخی سے بے نیازی کے لیے کافی در کافی تھا۔

کاغذات میں ہیر پھیر: روپے کا لالچ، حکومت کا رعب،
پٹواری کی سازش، تحصیلدار صاحب
علم دین نے جو نور دین کے نہایت ہی قریبی رشتہ دار تھے، اپنی زمین کی
حدود کو درست کرنے کی اہم ضرورت سے پٹواری ایشر داس کے کاغذات
مال میں کچھ ایسا الٹا سیدھا عمل کرایا کہ نور دین بیچارے کے کل رقبے میں
سے ۵ بیگھے ایسے غائب ہوئے کہ جیسے کبھی نور دین کی ملکیت ہی نہ
تھے۔ بیرسٹر احمد دین صاحب سے جو چچا زاد بھائی کے وکیل تھے مشورہ
کر چکنے پر نور دین بیچارے نے باقی زمین سیٹھ سورج نارائن کے پاس
سوا سو روپیہ میں گروی رکھ، بیرسٹر صاحب کی دو تاریخوں کی پیشی عدالت
کی اجرت ادا کر، خوش حال عزیزوں کے فریب کا شکار ہو کر، سیٹھ کی
حوصلہ افزا مصیبت خیز ہمدردی سے تنگ آ کر، رہے سہے آبائی ورثے
کو تین سو روپیہ میں بیچ، وطن و اہلِ وطن سے دور ایک اور وطن بنانے کی
آرزو میں، گھر کا مال اسباب بال بچے چھکڑے میں ڈال، ریاست بہاولپور
کے ان بے آب و گیاہ صحراؤں میں جہاں آندھیوں اور طوفانوں کی ہولناکیاں
بے مروت حریص عزیزوں کے مکر و فریب سے کم ہوں۔ روانگی کی ٹھانی۔

دام ہر حلقہ میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

سازوسامانِ سفر: چھکڑا تیار رہے۔ چھاج چھلنی چولہا گھر گرہستی کا
چھوٹا موٹا سارا اثاثۃ البیت مع جلد بندھا سٹول

یعنی بی بی، پنجالی، درانتی، کھرپا ہمراہ، پنجاب کے ایک خوش حال گاؤں کا برباد خاندان، اپنے آبائی وطن کے زمین و آسمان چھوڑ، تصویرِ حسرت و ارمان گرفتارِ امید و آرزو۔

پہلی قربانی: اپنے آئندہ وطن کی منزل کی پہلی قسط ایک ننھے بچے کی موت میں پہلی ہی شامِ غم کو ادا کر چکا ہے۔ کیا ہوا جو ننھے کی عمر صرف دو ماہ بھی پوری نہ تھی لیکن ماں کے لیے جس کے سامنے تین بیٹے بیٹیاں رونقِ کون و مکان موجود ہیں۔ ننھے کی موت ناقابلِ برداشت صدمہ تھی۔

مدفن کا مشورہ: جانِ مادر چھوٹے چھوٹے بہن بھائی رو رہے تھے۔ اس لیے نہیں کہ سارے دن کے بھوکے ہیں۔ بچوں کی طرف سے تقاضا ہے کہ یا تو مسافر مرحوم کو پچھلا وطن دور نہیں واپس جا کر گاؤں کے قبرستان میں دفنایا جائے یا پھر ہم حسن کی لاش ساتھ لیے چلتے ہیں، جہاں دوسرا وطن بنائیں گے حسن کی قبر درختوں کے سایہ میں اپنی زمین میں بنائیں گے تاکہ ہماری آنکھوں کے سامنے رہے۔ حسن ہمیں چھوڑ جائے ہم حسن کو نہیں چھوڑ سکتے۔

گمنام قبر: دن بھر کی دھوپ اور تھکان، جوں جوں رات بڑھتی گئی بچے ایک ایک کر کے سوتے گئے۔ نور دین نے اپنے نورِ چشم کو کھدر کے ایک کورے رومال میں لپیٹ، گڑھا کھود، سپردِ خاک کر دیا۔ معصوم مسافر نہ جانے اس سرائے فانی میں تجھ جیسے کتنے معصوم مسافر گمنام و نشان سپردِ خاک ہو چکے ہیں۔ تیری خاک کی ڈھیری پر صبح گاؤں کے گائے بکریاں چرانے والے لڑکے آپس میں کھیلتے بھاگتے نہ جانے کتنا کودیں، پھاندیں ان کے لیے دنیا کھیل تماشے کا گھر اور تو ایک کھلونا ہے۔

آگے کو روانگی: وہ حسن ہی تھا کہ پہلی ہی منزل پر تھک کر رہ گیا دوسری صبح کو آسمان پر ابھی کہیں کہیں ستارے باقی تھے حسن کے ماں باپ، بہن بھائی باقی ۴۳۲ میل کا طویل سفر طے کرنے کو روانہ ہو گئے۔

موٹر سے رگڑ: تنگ سڑک، کمزور بیل، نور دین نے ہر چند کوشش کی کہ گاڑی ایک طرف ہٹا لے، مگر موٹر کی رفتار — صاحب بہادر کی غلطی ہو بھی تو غلطی کہاں؟ خود ہی مدعی، خود ہی مجسٹریٹ بیل کی ٹانگ زخمی ہو جانے کی فکر نہیں، لیکن صاحب بہادر کی موٹر کے فٹ بورڈ اور مڈگارڈ پر خراشیں!

بہرے کا طیش: صاحب تو خیر صبر کر لیتا لیکن صاحب کے بہرے کا طیش! نمک حلالی کا ایسا موقع کہاں؟

بیوی بچوں کے سامنے بےعزتی: غریب نور دین کے چھ سات دھڑا دھڑ رکھ دیں، بیوی بچوں کے سامنے یوں پچھاڑا جائے۔ جا ہندوستانی! تیری قسمت، میرے اپنے ہی تیرے ہی نہیں تو غیروں کا کیا گلہ؟

حاضری کی فکر: صاحب کی شفقت سمجھو یا میم کی عنایت کہ بہرے کو زیادہ مار پیٹ سے روک دیا گیا یا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اگلے ڈاک بنگلہ پہنچنے تک حاضری کا "ٹائم" نہ نکل جائے۔ مگر نہیں، مار بھی لیا، بیل کی ٹانگ بھی زخمی کی اور طرفہ یہ کہ نام "حلیہ نوٹ" کر لیا کہ اگلے تھانے پر تھانیدار صاحب کو حسنِ کارگزاری کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کا موقع دیا جا سکے۔ رہی سہی بھڑاس ڈیم فول کہتے ہوئے نکال، راہ لی۔

پولیس کی زحمت: واہ رے ہندوستانی تیری قسمت کی رنگ آمیزیاں، وہی ذبح بھی کرے، وہی لے ثواب الٹا۔ زخمی بیل کی بدنصیبی سڑک کا چڑھاؤ۔ موسم زیادہ گرم نہ تھا لیکن پھر بھی دوپہر اور بعد دوپہر کو بیچارے نور دین کی مصیبت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ کبھی بیل بیٹھ جاتے اور کبھی چل دیتے اٹھتے بیٹھتے خدا خدا کر کے سرِ شام کھاریاں پہنچے۔ جان میں جان آئی ہی تھی کہ زحمتِ جان ایک موٹے تھانیدار صاحب مع دو نفر کنسٹیبل نور دین کے استقبال کو آموجود ہوئے، تھانیدار صاحب کے پُرمغز بے شمار سوالات کا جواب بیچارے نور دین کا فقط "جی حضور" تھا۔ ہر چند شکل و شباہت سے معلوم ہوتا تھا کہ نور دین کی تمام آرزوؤں کا مجموعہ، بہاولپور کے ایک مربعہ کی کل رقم مبلغ دو صد پچاس روپیہ تھانیدار صاحب کی نہ ختم ہونے والی ضرورتوں کی نذر ہو جائے گا، لیکن!

تھانیدار کی رحم دلی: گھبرائے ہوئے خاندان کے چہروں کی پُراسرار خاموش پریشانی اور بےبسی سنگین دل تھانیدار کو مائل کر چکی تھی۔ نور دین کی داستانِ غم سن کر خوش حال خاں تھانیدار نے

اپنے تھانیداری کے رعب کے طفیل غریب نوردین کا لنگڑا بیل جس کے شاید دس روپے بھی نہ مل سکتے، مبلغ چالیس روپیہ میں فروخت کرادیا اور تیس روپیہ میں ایک ایسا بیل جس کی قیمت بآسانی مبلغ ساٹھ ستر وصول ہو سکتی تھی ۔ دیا۔ تھانیدار اور یہ کرم! قدرت والے کی قدرت کے کرشمے ہیں جہاں مجبور ولاچار کمزور جانوروں کے پینے کا ذمہ دار ہے وہاں نوکِ نشتر ہے کہ کروڑہا زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی ہوئی مخلوق کی شفا کی ضامن بھی ہے۔

دیس میں پردیسی : منزل بہ منزل نوردین کا چھکڑا اپنی پرانی دنیا سے دور اور اپنی نئی دنیا کے قریب ہوتا چلا جا رہا تھا۔ قریب قریب ہر قدم پر ایک نئی دنیا، نئے رسم ورواج، نئی بول چال لباس، زبان، احساس تک نئے، نیا دن، نئی رات، مالک نہ سہی باشندہ سہی خود اپنے ہی دیس میں پردیس کے اسباب سے دست وگریبان ہے انسے ہندوستانی تخیل کی پستی کہیے تو بجا، بلندی کہیے تو روا۔

بیل کی ہلاکت : کہاں جہلم کی سرسبز وادی، کہاں خانیوال، لودھراں کے ریت چھلے، ابتدائے اپریل کہاں اور انتہائے اپریل کہاں۔ لو بھی اور ریت مٹی کے بادل بھی، خیر آباد سے چلا ہوا دوسرا بیل، ریتلی زمین پر سفر کرنے کا عادی نہ تھا۔ انسان تھوڑا تھا کہ اس قدر جھلس دینے والی گرمی برداشت کر لیتا۔ رات کو ایسا سویا کہ پھر نہ اٹھا۔ ایک مربعہ زمین کی رقم کے علاوہ پچاس ساٹھ روپے ساتھ تھے جن میں سے اس وقت تک تین ساڑھے تین سو میل کی منزل میں ۹ روپے بھی پورے خرچ نہ ہوئے تھے۔ بیل کا خریدنا ضروری تھا، اگر اس سرمایہ میں سے اور میں سے اور تیس چالیس روپے خرچ کر دیئے جائیں تو اندیشہ تھا کہ آئندہ کیا سبیل ہو؟ خانماں برباد کے بنک کی آخری جمع جوڑ، بیوی کے کڑے اور چھوٹی بچیوں کی نقرئی بالیاں، دہقان کی لٹتی دنیا کا سہارا۔ ایک دبلا پتلا بیل خرید کر لیا گیا۔

تقدیر کا آخری پانسہ : بیمار بڑے لڑکے برکت کے سوا اس طوفان زدہ خاندان کے جملہ افراد اس ڈر سے کہ کہیں ریت کے ٹیلوں میں بیل دم توڑ کر نہ رہ جائیں برابر چھکڑے کو بہاولپور کی سمت رات دن دھکیلتے چلے جا رہے ہیں۔ آئندہ کی خوشحالی کی امید اور موجودہ محنت نے کچھ ایسا محو کیا کہ مصیبت مصیبت نہیں اور درد دکھ نہیں۔

حدودِ ریاست میں داخلہ : آخر پہنچ ہی گئے۔ کیوں نہ پہنچتے؟ ارادہ مصمم ہو تو پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ وسطی شمالی پنجاب کے شہروں سے ایک مختلف قسم کا شہر اور شہر کا گردونواح پیشِ نظر ہے۔

سابقہ وطن چھوڑنے سے قبل تو قسم قسم کی افواہیں تھیں کہ اجاڑ ہے، بیابان ہے۔ بہاولپور کے رہنے والے بڑے بے رحم اور ظالم ہیں لیکن حدودِ ریاست میں داخل ہوتے ہی ایک مختلف تجربہ سے واسطہ پڑا:

بہاولپوری گاؤں : رات کا وقت، پردیس کا معاملہ، ایک چھوٹی سی بستی کے پاس جس میں چراغ تک نہ تھا پنجاب سے نکلے ہوئے اس خاندان کو شب باش ہونا تھا۔ بڑا لڑکا برکت ایک طویل مدت سے بخار میں مبتلا نہایت کمزور ہو رہا تھا۔ دیر سے کھانا پینا چھٹ گیا تھا شاید تبدیلی آب وہوا کا اثر کہ بیمار نے باپ کو پیار سے مسکرا کر کہا "میں آج دودھ پیوں گا"۔ ناواقف لوگ، بہاولپوری رسم ورواج سے لاعلمی، بیچارے نوردین نے گاؤں میں جا، اپنے صافے کے کونے سے پیسے کھول، ایک صاحبِ خانہ کے روبرو رکھتے ہوئے منت سے کہا میں پردیسی ہوں، لڑکا بیمار ہے، مجھے اس کے لیے دودھ چاہیئے۔ آنے دو آنے کا جتنا بنے دودھ دے دو۔

آس اور یاس : گھر والے نے اپنے پاس کھڑی ہوئی لڑکی سے کچھ ایسی زبان میں بات چیت کی اور کچھ اس طرح سمجھایا کہ پنجابی جاٹ کچھ نہ سمجھ سکا۔ قریب تھا کہ نوردین مایوس واپس چلا آتا، لیکن برکت کا طرزِ سوال اسے رہ رہ کر یاد آتا۔ نوردین خالی چارپائی پر بیٹھا خدا جانے پچھلے وطن کی یاد یا آئندہ وطن کے آباد کرنے کی فکر میں، سکوتِ شام کی طرح کچھ یوں خاموش تھا کہ شاید دنیا میں اسے کچھ اور کام ہی نہیں ہے۔ قریب ہی کسی نے مسجد سے عشاء کی اذان کہی۔ صاحبِ خانہ وضو کر چکا تھا۔ مکان کھلا کا کھلا چھوڑ جماعت میں جا شامل ہوا۔ نوردین بھی تو مسلمان تھا، نماز فرض تھی، اگرچہ متواتر گردشِ زمانہ سے پسا چلا جا رہا تھا لیکن گاؤں والا تھا۔ شہر والوں کی طرح نماز باجماعت سے کیسے روگرداں ہو سکتا تھا؟

بہاولپوری مسافر نوازی: صاحب خانہ کے اچانک چلے جانے پر ایک دم وضو کر تیار تھا کہ مسجد میں پہنچ شریک جماعت ہو جائے لیکن اس ڈر سے کہ مالک کا ڈیرہ خالی ہے۔ اس کے جانے کے بعد کوئی نقصان نہ ہو جائے۔ انتظار میں وہیں بیٹھا رہا۔ صاحب خانہ کے آتے ہی نور دین نے بہتیرا چاہا کہ مسجد تک جا کر نماز ادا کرے لیکن دودھ کا مٹکا حاضر۔ دال ساگ کا انبار موجود۔ نماز قضا ہو تو ہو۔ لیکن ایک مسافر اور دودھ کا سوال! ناممکن کہ ماحضر میں شرکت کے بغیر کسی بہاول پوری زمیندار کے گھر سے خالی ہاتھ الٹا پھر آئے۔ گاؤں کے ایک لڑکے کے سر پر طعام کا لگن اور دودھ کا مٹکا اٹھوا۔ نور دین کے ساتھ کر دیا گیا۔

دوسری قربانی: پنجاب سے آنے والوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور مالک کو بہت سی دعائیں دیں۔ دودھ تو سب نے پیا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ کہ خیال کر لیا جائے دودھ ناقص ہے۔ کھانے پینے کے دو تین گھنٹہ بعد پنجابی مسافروں کے ڈیرے سے آہ و بکا اور واویلا کے شور نے گاؤں بھر کے مرد و عورت کو بے چین کر دیا۔ گاؤں کے چند سربرآوردوں نے آکر اس آہ وزاری کی وجہ دریافت کی۔ معلوم ہوا۔ کہ بیمار ساتھی کسی دوسری دنیا میں شاید آبادکاری کی نیت سے چل بسا ہے اور مرحوم کے ماں اور بہن بھائی رو رہے ہیں۔

رونے دھونے سے فائدہ۔ آج نہ چلے کل چلنا۔ آخر چلنا۔ اس سے تو کوئی بچ سکتا نہیں۔ چلنا یا چل بسنا۔ سچ سہی۔ لیکن پسماندے نہ روئیں! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک نہ ایک دن ہم موت اور موت کی حقیقت کو جانتے ہوئے روتے ہیں۔ اور خوب روتے ہیں۔ حسن وہاں رہا برکت یہاں ع

غربت کی موت:۔ وہ ابتدائے عشق تھی یہ انتہائے عشق ہے

گاؤں والوں کا ساتھ اور توجہ۔ بیچارے پردیسی کی تجہیز و تکفین کی مل ملا کر رات ہی رات تجویز کر دی گئی۔

آبادکاری کا حوصلہ: انسان! اے انسان!! کیا بات ہے تیری اور تیرے حوصلہ کی۔ دوسری ہی صبح بہاولپور کی زمین خریدنے کے شوقین حسب معمول سورج نکلنے سے قبل آبادی والے صاحب کے دفتر میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔

عشق زمینات: زمین خریدنے کا عشق دفتر احاطہ۔ صاحب کی میز اور بہاول پور شہر کے زمین و آسمان۔ اس زمین کے خریدار کو زمین ہی زمین نظر آ رہے تھے۔ خریدار زمین سوتا جاگتا۔ بیٹھتا اٹھتا زمین ہی زمین کے خواب دیکھ رہا تھا۔

دہقانی بے زبانی: نور دین کی آرزو کی دنیا۔ پٹواری تک کے حضور میں عرض نہ کر سکنے کی ہمت۔ کیونکہ صاحب یا کرسی نشین صاحب سے نچلے درجے کے نصف درجن پنکھوں تلے بیٹھنے والوں کے حضور میں بیچارا جاٹ کچھ کہہ سن سکتا۔

مہابعہ کی تقسیم: صاحب کے کمرے کے دروازے کی چک۔ اور چک سے پہلے چپڑاسی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی ایمن میں اگر خدا نظر نہ پڑا۔ تو کیا عجب۔ خدا کی مرضی ہے نظر آئے نہ آئے۔ یہاں نور دین کی آنکھیں کمرے کی تاریکی میں کاغذات کے انبار۔ اور صاحب کے دفتار کی وجہ سے بے نور ہو رہی تھیں۔ صاحب نظر آئے تو نور دین کچھ کہے۔ الغرض ڈرا سہما جاٹ جیسا اندر گیا۔ ویسا ہی دھکیل باہر کر دیا گیا۔ اہل کار کا مشورہ۔ جاٹ کی قسمت کا فیصلہ۔ مربعے کے نمبر کا اعلان چپڑاسی نے پکار کر کہا۔ نمبر ۳۵ چک ۳۷!

جا جاٹ تو اور تیری قسمت۔ جب تو ہی کچھ نہیں کہتا۔ تو کوئی کیا کرے۔ آباد کاری ہے۔ اگر تیری ہی طرح

لاعلاج سکوت: سب چپ اور سہمے ہی سہمے رہیں۔ تو صاحب کے ذمہ عذر۔ تیرے ڈر اور دہشت کے دور ہونے کے لئے برسوں چاہئیں۔ مگر یہ نہریں اور نہروں کا پانی مفت تو بہہ سکتا نہیں۔ اس لئے جو برا بھلا مربعہ ملا ہے۔ لے۔ اور جا کاشت کر۔ پٹواری یا صاحب کے ذمہ کچھ نہیں۔ تیرے اچھے برے مقسوم کا علاج تو تیرے ماں باپ کے پاس نہیں۔

مصائب پر مصائب: صاحب کیا کرے۔ سچ بتا اگر تو ہی صاحب ہوتا تو کیا کرتا۔ تیرے بچے مرے۔ بیل مرے۔ ان کے مرنے کا بیشک ہمیں سخت افسوس اور تیرے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ لیکن موت پر کسے اختیار؟ نصیب پر کسے قدرت؟

عیب آفرین شہر: اگر تیرے ساتھ پٹواری نے دھوکہ کیا۔ تو آخر تیرے نقصان اور کسی تیرے جیسے کے فائدے ہی کی کن فیکون کی صورت ہوئی ہوگی۔ تیرا فائدہ کسی کا نقصان۔ کسی کا فائدہ تیرا نقصان۔ کچھ لازم و ملزوم سا معاملہ ہے۔

ہمتِ مرداں: اٹھ کمر باندھ۔ ریت ہے۔ پہاڑ نہیں اڑا دے۔ ریت کے سینے پر مونگ نہ دلے تو جاٹ نام نہیں۔

جنگل میں منگل: نور دین کو قبضہ لیے کوئی زیادہ مدت نہ ہوئی تھی۔ کہ ایک ویرانے میں جہاں ریت کے پہاڑ۔ کنڈی کنڈیری کے جھاڑ بھلی بری ہر طرح کی مجموعہ الاقسام زمین تھی۔ آج خونِ گرم دہقاں کی برکت سے دو تین کوٹھے۔ ایک ساحل۔ ایک جھانا۔ ہر چہار طرف سرسبز کھیت۔ گائے۔ بیل۔ بھیڑ بکریاں۔ دودھ۔ دہی۔ لسی۔ دھواں۔ دیا بتی۔ اس خوفناک اجاڑ کی زیب و زینت۔ رات دن صبح شام نو آبادی کی آبادی میں اضافہ در اضافہ ہے۔ ریاست کے مالیے میں اضافے کا سہرا اسے خونِ رگ دہقاں تیرے سر یا ستلج بیاس کے پانی کے طفیل یا افسرانِ نو آبادی کی فکر کا نتیجہ۔ والیے ملک دلجوئی کا باعث۔ اللہ تعالیٰ کے کرم کی برکت۔ اتفاق اور اتفاق کی برکت سے خوشحالی ہے۔

جوئندہ یابندہ: اے نور دین تیری محنت اگر بڑی تھی۔ تو کیا اس کا احسان بڑا نہیں۔ تیرے پاس دو سال کی بات ہے کچھ نہ تھا۔ لیکن اب تیرے مال و دولت کا اندازہ اگر ایک نہ ختم ہونے والے زمانے کے لیے کیا جائے۔ تو ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔ جس کے سامنے ستلج ویلی پراجیکٹ کے قرضے کی کوئی حقیقت نہیں۔

ہمتِ مرداں مددِ خدا

بھول نہ جانا

نمک خوار اخلاف: اے ۱۹۹۹ء کے بہاولپور کے ہندو اور مسلمانو! ہم آج ۱۹۳۹ء کے بہاولپور والوں میں سے شاید بہت سے اس وقت تم میں موجود نہ ہوں۔ لیکن یاد رہے ہماری خاک میں سے تمہاری خوراک پیدا ہوا کرے گی اور ہمارا سانس تمہاری فضا کی وہ جان پرور ہوا ہوگا۔ جس کی تمہیں ہر وقت ضرورت ہے۔ اور ہماری ہڈیاں تمہارے کھانوں کے لیے نمک کا کام دیں گی۔ تمہیں یاد رہے کہ ہمارے مر چکنے کے بعد بھی تم ہمارے نمک خوار ہوگے۔

اسلاف کا قرض :

سیاہ یا سفید غریب یا امیر ہندو یا مسلمان ہڈیوں کے نمک میں کوئی خاص امتیاز نہ ہوگا۔ بارنم بڑے مزے اڑاؤ گے۔ اچھا خدا نصیب کرے۔ لیکن بھول نہ جانا۔ تمہارے اجداد کا تمہارے سر ایک بہت بار قرض ہے۔ جس کو تمہارے بزرگوں نے فاقے اور محنت سے ستلج ویلی پراجیکٹ کے ایک عظیم الشان قرض کی صورت میں اتارا تھا۔ سنہ ۱۹۳۹ء کے بہاولپور والوں کے اس ایثار اور قربانی کا صلہ صرف ایک ہی طرح ادا ہو سکتا ہے اور وہ ذریعہ اے سنہ ۱۹۹۹ء کے بہاولپور والو تمہاری اخلاقی ترقی پر منحصر ہے۔

تہذیب اخلاق کی ضرورت ہے

ترقی سے میرا مطلب محض یورپ اور امریکہ کی موجودہ ترقی ہی نہیں بلکہ امریکہ اور یورپ کی موجودہ ترقی میں جو نقص یا کمیاں ہیں ان کو مکمل کرکے انسانی تہذیب و تمدن کی بہترین مثال قائم کرنا ہے۔ تاکہ تمہارے بعد آنے والے بہاولپوری بہتر سے بہتر ملک کے بہترین شہری اور عمدہ ترین ملکی بنتے جائیں۔

دولت کے فسیلے سے بہتر صحت

تمہارے وقت میں تو گرمیوں میں نہ یہ گرمی ہی ہوگی۔ نہ موسم کی یہ خشکی۔ آندھیاں اور طوفان ہی ہونگے تم ہوگے اور پیسہ۔ پیسے کی فراوانی۔ تن آسانی کا بہانہ ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ پیسے کے فریب میں آکر اپاہج اور بدمزاج ہو جاؤ۔ یہ غفلت اور سراسر کج فہمی ہوگی۔ یاد رہے قدرت غافلوں اور کاہلوں کو برباد کرنے کی ذمہ وار ہے۔

باہمی محبت :

زیادہ پیسہ ہو جانے کی وجہ سے آپس میں نہ لڑنا نہ جھگڑنا۔ اپنی مسجدیں، اپنے مندر آباد رکھنا۔ آپس میں پیار رکھنا۔ مار سے پیار اچھی چیز ہے۔

خدا حافظ

خانہ آباد و دولت زیادہ

بقیہ : سرائیکی

بلیس پچیس برس کے بعد یہ زبان کچھ اور ہو جائے گی اور اس میں تبنڈرے میڈرے تھڈرے مٹھڑے، کٹھڑی، پٹھڑی، درکن، بھجن، ایڈیں اوڈیں، ترہیہ (پیاس) دریہہ (محبت)، کنیں، گھینن (دہے بیج کنڑیں تیکوں گھنڑیں) سگئے۔ تے پھادن (سینگوں پر اٹھانا) ونج، جنیج، وچ بہہ (جابرات دی نثر یکیب ہو) جیسے ثقیل الفاظ بول چال میں صفر کے برابر ہوں گے اور جب یوں ہوگا تو ظاہر ہے کہ دیوانِ فرید کی کافیاں ایک معمہ بن جائیں گی۔ ان حالات میں اگر کسی زبان کو زندہ رکھنا مقصود ہو تو ایسی ادبی سوسائیٹیاں، مجلس مشاعرے ترتیب دینے چاہئیں جو زبان کی نئی کروٹ کے ساتھ ساتھ ساز رکھتی ہوئی پبلک کو بھی اس آشنائی سے روشناس کرتی رہیں تاکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ نیا اور پرانا دور غیر مانوس نہ ثابت ہو۔ سرائیکی کے ابتدائی دور سے میں نے بفضلِ خدا بہت کچھ پردہ اٹھا دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی مجھے یہ توفیق عطا کرے گا کہ میں سرائیکی زبان کی خدمت ادا کرتا رہوں، سرائیکی زبان کی نئی کروٹ سے ہم ناامید نہیں ہیں اور نہ ہی یہ ہمارے اختیار کی بات ہے کہ ہم حادثات زمانہ کو روک سکیں۔ ہم کو تنگ دل اور متعصب نہیں ہونا چاہیئے۔ جس زبان میں اتنی صلاحیت اور وسیع دامانی موجود ہے کہ وہ ہر زبان کو اپنے اندر سمو لینے کے لیے تیار ہے۔ ہمارا کڑھنا اور غم کھانا بے معنی ہو جاتا ہے انشاءاللہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اس نئے ملاپ سے یہ زبان شستہ اور سلیس ہو جائے گی اور اپنے بہت سے بوجھل پن کو چھوڑ دے گی، خدائے کریم اس کا یہ سنبھلنا اور سنورنا مبارک کرے ؎

مشاطہ را بگو کہ در اسباب حسن یار
چیزے فزوں کند کہ تماشا بہ ماہ رسد

نقشہ
ریاست بہاولپور (سابقہ)
سکیل: ایک انچ برابر ۴۰ میل
دریائے ستلج
دریائے چناب
دریائے سندھ
لاہور کو
ہیڈ پنجند
اُچ شریف
ڈیرہ نواب صاحب
بہاولپور
خیرپور
بہاولنگر
میکلوڈ گنج روڈ
منچن آباد
لیاقت پور
چاچڑاں
خانپور
بھونگ
رحیم یار خان
کوٹ سبزل
صادق آباد
ڈھاندبڈھی
کراچی سے
باغ و بہار
نواں کوٹ
قلعہ ڈیراور
دین گڑھ
موج گڑھ
قلعہ مروٹ
قلعہ عباس
خان گڑھ
بجنوٹ
اسلام گڑھ
ہندوستان
Hasan
ایڈیشنل چیف انجینئر (ایریگیشن) ایری گیشن مغربی پاکستان لاہور

The cupidity of the god of love went on secretly to remind Sadiq the fearless majesty of this imprisoned fairy of our Rohi.

Finally the stage was reached to convey the Khan's message to Gaamaan Khatoon.

The princly proposal dressed with all sorts of temptations was flatly refused by Gaamaan.

The intimates in the confidence of the prince found a convenient loophole by negotiating the matter successfully with the elders of her tribe in jail or left free at her village. Every pressure from her elders to accept the proposal was refused. As Gaamaan was betrothd with her first cousin her objection to the royal proposal had the saintly support of the traditional code of honour.

At long last her fiance, her parents and all the members of the tribe prevailed upon her to agree to the sensibility of the offer. Gaamaan the great yielded to the unanimous verdict of her family but with one reservation. She insisted that until and unless her fiançe's wedding is not solemnized with the girl of his choice regally, she refuses to accept all alternatives. Matters were pushed ahead her fiance choice for his bride to be was made good regal celebrations of the wedding the dowery the grant of a Jagir and all the titles and honours favourably settled according to Gaamaan choosing were carried through.

It was after that, that in the light of the maxim "All is well that ends well" Gaamaan entered the palace properly wedded Begum, a royal queen.

To keep her village association alive and effective in the Palace area the atmosphere of a village was created by the addition of a Persian Wheel-a thached cottage—a cattle shed and a few plots to plough and cultivate. To this corner of the Palace the Khan and his Begum from time to time used to retire-to stay and work like ordinary men and women of a village, the Khan ploughing a plot or chopping wood as clumsily as could be imagined and the Khatoon i.e. the first lady of the realm simultaneously performing all the function of a great Begums like a born queen and the day to day took that of a village woman grinding of corn, tending of cattle—cooking-cleaning and the churning of milk etc: was the happy ending of a love romance that began in a central jail.

What an un-ending honeymoon! May God bless them. Both.

A ROYAL ROMANCE

As a result of a family feud many persons, males and females of a village in Rohi involved in the affray were brought in chains Bahawalpur and were imprisoned in the Central Jail.

The year in which the event took place was 1884. The circumstances that gave prominence to this event evolving it into a Royal romance furnish an authentic love story, revealing the mood and minds of the people of Bahawolpur of that period.

More than 50 years ago an account of this romance was published by Khawja Hasan Nizami in Urdu.

At that time when this incident took place the great grand father of the present Ameer was the Ruler of Bahawalpur.

A handsome young man of about 20 years Ameer Sadiq Muhammad Khan IV being just and sympathetic ruler was loved by his subjects. On account of his generosity his name was well known throughout this sub-continent. His benevolent treatment towards all and sundry earned him the title Subeh Sadiq i.e. the TRUE DAWN. SADIQ GARH—the best palace in Pakistan was built during his reign. He was a profound devotee of Khawja Ghulam Farid. His court was adorned with saints and luminaries from Hind and Sind. His memorable work is the service he rendered to the famine stricken people of Rajputana and the East Punjab. To inspect various public departments now and then despite his great indulgence for shikar was for him a matter of habit. It was thus that the much talked about news about the event made him to visit the jail.

During his that visit one of the prisoners regardless of the ruler's presence kept sitting reading the Holy Quran. The Darogha (Superintendent of Jail) in attendance shouted, admonishing the prisoner to stand up.

Equally furious the prisoner shouted back and refused to stand up.

It was, at that moment that the youthful ruler's attention was drawn to view the couragious prisoner attentively.

The prisoner was one of the member, of the GADHOKA Clan recently interned in the jail in connection with the aforesaid event, for lawlessness.

The prisioner's name was Gaamaan. She was a beauty and authority personified. Whenever deserts give birth to beauty always some Josephs, some Cleopatras are born to furnish an ecuse for a Royal romance. Courted by beautiful European damsals Subeh Sadiq had no time to waste thinking about that village girl.

Like Jehangir Sadiq Muhammad had no idea for this Nur Jahan. His passionate pursuit for shikar kept him away from the invisible snares of this Cleopatra.

But in the words of Hasrat Mohani.

حقیقت کھل گئی حسرت ترے ترک محبت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

The transport facilities of modern time are already doing the needful for the spread of tourism. The skill, the art and the produce of ROHI such as, soda ash, hides, bones and wool and (at some later date oil) along with the side interest for archaeology the ROHI of Bahawalpur is developing fast from day to day.

The visit of the Sheikh of Abu Dhabi is but an indication of the possibility that ROHI has awaited so long. To enhance the prosperity of Pakistan through ROHI the supply of water by pipe line and due attention to the study of Seraiki are essential pre-requisites.

ROHI - A Last Refuge :

When the mountains wIll be ground into dust; when the skies will be turned into tattered shrouds .... Almighty Allah says in Quran : Where then will ye seek refuge ?

It is a far fetched idea but it seems likely that in case an atomic war takes place the cities, the main centres of population, and stocks of knowledge painfully acquired in the millions of year will disappear from the face of the carth in the twinkling of an eye leaving the world a desert with only another pair of Adam and Eve to start manufacturing their progeny afresh in a place like RUBA-I - KHALI a bone dry desert where according to traditions the abode of the first pair of the human being was brought up in an oasis known to us the BAGH - I - EDEN (باغ عدن)

ROHI

ROHI-Registan or Cholistan means a desert. SAHRA or BADIA are the Arabic words for desert.

As much as the mountanious regions ; Scottish hills, Tibitan Plataeu and Alpine regions differ from each other for their respective characteristics the desert too vary one from the other on account of their respective shapes and soul.

In his speech at the S.E. College in 1942, Sir, Aurul Stien a great authority on deserts said that Rohi of Bahawalpur is a tamed desert.

The ROHI of Bahawalpur is spread over an area of 9,881 square miles. It is connected with the great Indian desert, and is bounded on the North and West by a depression locally known as the HAKRA. Its surface consists of a succession of sand dunes, rising in places to a height of 500 feet with the vegetation peculiar to sandy tracts. There is no soil down to the lowest depths pene-trated by wells ; all is sand, but bitter water is met with at a depth of eighty feet. Wells are sunk through a stratum of fine sand, the sides being sustained by a steining of gypsrium plaster, three inches thick, which is added as the excavation proceeds. Over-lying the sand in many of the valleys is found a deposit of amorphous sulphate of lime from three to six feet thick.

Gazeteer Bahawalpur

The Real Wealth of the Bahawalpuri Rohi.

The Rohi of Bahawalpur has an indes-cribable sobriety. Group Captain Peter Townsend and the Russian Colonel Leonauf admired and confirmed the unspeakable pleasure they felt on account of their experience of the empty yet meaningful vastness of divine beauty, the atmosphere at dawn and during the moonlit-nights in Rohi, is so very godly that one feels to agree to what Olga Hesky says in her book in the following passage :-

"... The formless nameless god had been born in the desert of the winds that were at times furnace-hot, at times no more than a silence moving in a great elemental emptiness, there was no man so cloddish that could not at least once in his life, hear the still small voice of god......"

quoted from - THE PAINTED QUEEN.

The Rohi of Bahawalpur due to the fact that it is a tamed desert offers better facili-ties to design it as an International Research Centre for scholars interested in matters related to man's soul, in their pursuit of spiritual knowledge, the great seers like Bava Farid, Khawja Farid and other since the times of Fah and Huen Song have to their credit abundant stock of fruitfully conceived philosophies in our Rohi.

For relief and rejuvenation of soul organised desert tourist camps during our mild winter could be made a source of flourishing tourists industry equally benefi-cial to the foreign tourists and to Pakistan.

For peace of mind holidaying in the noiseless clean airy desert is more helpful than the spending of our holidays at the hill stations and at Sea-side resorts.

Quarterly

SERAIKI

Regd. B. No.
Bahawalpur

خیر خلق کے سلسلہ کے اشتہارات اور اطلاعات اس رسالہ میں مفت شائع کرائے جا سکتے ہیں ۔

What is Seraiki ?

Seraiki, the name given to this magazine is the name of one of the regional Languages of West Pakistan-about ten million Pakistanis speak Seraiki. Owing to its links with Mohenjo Daro - Harappa civilization and on account of its linguistic connections with Arabic - Persian - Hindi & Turkish, Seraiki can render valuable service in recovering & reclaiming much of the lost history of the Indus Valley.

The language and the people of this region have something in-born in them to help in the advancement of human virtues.

Climatically, the region has delightful winters and offers ideal opportunity for tourists.

مطبوعہ : مکتبۂ جدید پریس ، لاہور

QUARTERLY
SERAIKI
سرائیکی
ہند سندھ دیاں زباناں دے وَن دی پاڑ
جشن روہی نمبر
ہیوں اوقلاش تے رنداساں
پئی نودی ئے ہند سندھ اساں
ہیوں بیشک عارف چنداساں
گل راز رموز دے دفتر ہوں